

# معارفِ حدیث

۳۱/۳

استاذ العلام شیخ طریقت حافظ مملت  
حضرت مولانا عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ

نذیر سنہ

۴۰ لے اردو بازار ۰ لاہور

3095



# معارفِ حدیث

علوم و معارف کا گنجینہ

افاداتِ عالیہ

استاذ العلماء شیخ طریقت حافظ ملت حضرت مولانا الحاج

حافظ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ

اضافات

راجا رشید محمود



نزیر سنز پبلشرز

۲۰ اے — اردو بازار — لاہور

جملہ حقوق محفوظ

86214

~~88014~~

۱۹۸۶ء

معارف

معارف حدیث مع اضافات

تذکرہ سنز پبلشرز

۴۰ اے اردو بازار لاہور

گنج شکر پرنٹرز

۴۰۰ روپے

# فہرست

۵	راز علامہ شتاق احمد نظامی	کلمات عقیدت
۸	علامہ مفتی عبد المنان اعظمی	پیش لفظ
۲۳	<u>حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ</u>	<u>معارف حدیث</u>
۲۶		مسلمان اور ہجرت
۲۹		صراطِ مستقیم کیا ہے؟
۳۱		محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت
۳۳		قدرتِ مصطفیٰ (علیہ التھیمة والثناء)
۳۸		علمِ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم)
۶۳		ماہِ رمضان المبارک اور لیلة القدر
۶۷		دنیا مسافر خانہ ہے
۷۰		آخرت میں کامیابی کا طریقہ
۷۳		جنت یا جہنم؟
۷۶		دین میں نئی نئی باتیں پیدا کرنا
۷۹		سخنہ کیمیا
۸۲		اسلامی اخوت

۸۴	بد نظری کی مذمت
۸۷	اعضامِ بدن کا صدقہ
۹۰	صدقہ دینے والے
۹۳	برکاتِ رمضان
۹۵	مساواتِ محمدی
۹۸	نوافل کی اہمیت
۱۰۱	مقصداتِ ایمان
۱۱۰	دنیا و آخرت میں بھلائی
۱۱۳	بدگمانی کی ممانعت
۱۱۶	اشحاد یا نفاق ؟
۱۱۹	اعمالِ صالحہ
۱۲۲	رشتہ اخوت کا تقاضا
۱۲۵	سنتِ ابراہیم (علیہ السلام)
۱۲۸	گناہِ صغیرہ

## اضافات از راجا رشید محمود

۱۳۱	اجتہاد کی اہمیت
۱۳۵	سات اخلاقی برائیاں
۱۳۸	غیبت کی ممانعت
۱۴۰	تجارت کے اصول
۱۴۲	افواہ سازی

## کلمات عقیدت

معارفِ حدیث، ماہنامہ پاسبان کا ایک مستقل عنوان ہے جس کے تحت استاذ العلماء، علامہ، علم حافظ ملت حضرت مولانا الحاج حافظ عبدالعزیز صاحب قبلہ شیخ الحدیث اشرفیہ مبارکپور کے رِشحاتِ قلم کی اشاعت ہوتی رہتی ہے۔ نہ جانے کتنے بندگانِ خدا اس کے مطالعہ سے راہِ ہدایت پا کر صراطِ مستقیم پر گامزن ہو گئے۔ سمندر کو کوزے میں بھرنے کی کہادت سنتے تھے لیکن معارفِ حدیث، اس کی جلتی جاگتی زندہ مثال ہے۔ حدیث کے ترجمہ کے ساتھ اس پر عالمانہ و عارفانہ نکتہ آفرینی صرف استاذ العلماء جیسی بلند شخصیت کا کام ہے۔

ادارہ پاسبان اس کرم و احسان کو کبھی بھول نہ سکے گا کہ جب سے حضرت نے اس عنوان کو شرفِ قبول سے نوازا، کوئی بھی شمارہ اس عنوان سے خالی نہ رہ سکا۔ جوانوں نے کاندھے کا بھو اتار دیا لیکن بہتر برس کا ضعف و ناتواں بزرگ، وہ عزم و استقلال کا کوہِ گراں ثابت ہوا۔ یہی وہ قدسی نفوس ہیں جن کے نقشِ پا، آنے والی نسل کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوتے ہیں۔

پتا ہے یہ اپنے بچے نہیں بلکہ دنیا کی ہدایت کے لئے بیٹے ہیں۔  
یہ وہ لوگ ہیں جن کے متعلق میں اکثر یہ کتابوں کہ یہ دیندار نہیں بلکہ چلتا پھرتا دین ہیں۔

جنہیں دیکھ کر اور ان کی اتباع کر کے لوگ دیندار بنتے ہیں۔ بعض نگاہوں نے انہیں استاذ العلماء  
 جلالتہ العلم ہی سمجھا لیکن وہ میری نظر میں — عارف باطن اور ائمہ کے ولی ہیں۔  
 علم ظاہر و باطن کے ایسے سنگم جہاں پر ہر پیاسے کو پانی ملے وہ استاذ العلماء کی ذات گرامی ہے۔  
 ایک ایسا عابد شب زندہ دار کہ زہد و تقویٰ و پارسائی جس کے دامن کی حسین جھالیں  
 زمین پر آنکھیں بچپاتے اس طرح گزر جائیں کہ فرش و عرش کی کائنات انہیں دیکھے لیکن ان کی  
 ندائیں شناس نگاہوں کو کوئی کچھ نہ کہہ سکے۔

لباس میں ایسی سادگی جس سے عالمانہ وقار پھوٹ پھوٹ کر برستا ہو۔  
 گفتار میں ایسی نرمی اور مٹھاس گویا ہونٹوں سے پھول پھڑپھڑ رہے ہوں۔  
 ایسے کریم و شفیق کہ بچے انہیں پا کر ماں کی گود بھول جائیں۔  
 اپنے بزرگوں کے ایسے ادب شناس کہ اعلیٰ حضرت سیدنا امام احمد رضا و صدر الشریعہ  
 حضرت مولانا امجد علی علیہما الرحمۃ والرضوان کا نام سنتے ہی اپنی گردن جھکالیں۔  
 تابدار اہل سنت حضور مفتی اعظم ہند و دیگر اکابر اہلسنت کے تذکرہ پر اپنی والہانہ مسرت کا  
 اظہار، یہ حافظ ملت کی خصوصی ادائے محبت ہے۔

میرا اپنا ارادہ تھا کہ معارف حدیث پر ایک مبسوط و مفصل مقدمہ لکھوں گا لیکن یہ کہہ کر  
 گزر جانا بڑی ناشکر گزاری ہوگی کہ میری اس سعادت کو حضرت علامہ مفتی عبد المنان صاحب نے  
 مجھ سے چھین لیا۔ محسوس ہوا کہ یہ سعادت انہیں کے حق میں مقدر تھی ذلک فضل اللہ  
 یؤتہ من یشاء میں خوش ہوں، گھر کی دولت گھر ہی میں رہی، مجھے نہ سہی میرے بھائی کو مل گئی۔  
 اس وقت میں بیٹی کے لیے بالکل پایہ رکاب ہوں، دل کستا گیا باتیں نوک قلم پر آئی گئیں  
 یہ میرے گلستان عقیدت کے چند پھول ہیں، جو کبھی مرجھائیں گے نہیں، بلکہ ہمیشہ مہکتے رہیں  
 گے۔ بعض دلوں کے شکوک و شبہات کا رنگ کھڑا دور کر دینا مناسب جانتے  
 ہوئے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آج کی دنیا میں حضرت حافظ ملت کا سفر حجاز خود ان کی ایک

زندہ کرامت ہے۔ مدتوں کی آرزو تھی کہ دیارِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والسلام میں حاضر ہوں لیکن فوٹو کا مسئلہ سدراہ تھا، دل کی لگن رنگ لہکے رہی، بغیر فوٹو کے پاسپورٹ بن گیا۔ دنیا سے دیوبندیت میں صفِ ماتم بچ گئی، ایڑی چوٹی کا زور لگایا لیکن مادی طاقتوں نے روحانیت کے سامنے سر جھکا لیا۔ پھر دنیا آنکھیں مچاڑ کر دیکھتی رہی۔ وہ گئے اور آئے لیکن دشمن ان کی گردِ راہ تک نہ پاسکا۔ یہ پاسپورٹ ایک ایسا عجوبہ ہے جس نے دشمنوں کا بھی دل جیت لیا ہے، کوئی بتائے اسے کرامت نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے؟

ویسے تو مکتبہٴ پاسبانِ دینی کتابیں شائع کرتا ہی رہتا ہے لیکن ”معارفِ حدیث“ اس کی نشریات کا شاہکار ہے۔ مجھے مسرت ہے کہ میں نے جس پودے کو لگایا تھا اب وہ پھل پھول رہا ہے، زندگی کے وہی دن قیمتی ہیں جس میں انسان کچھ ایسا کر جائے کہ تنہا وہ نہیں بلکہ ایک دنیا اس سے سیراب ہو سکے۔ ”معارفِ حدیث“ کا گرانمایہ ذخیرہ لوگوں کے ہاتھ دیتے ہوئے میں اپنی کامیاب زندگی پر بہت و مسرت محسوس کر رہا ہوں۔ غیر مقلدیت نے تراجمِ حدیث میں بڑی سبقت کی ہے لیکن اس معاملے میں ان کی نیت اچھی نہیں ہے۔ اگر فقہ سے رابطہ توڑ کر تراجمِ انادیش پر قناعت کی گئی، تو بے راہ رومی یقینی ہے جس کی زندہ مثال آج کی وہابیت غیر مقلدیت ہے اس لیے ضرورت ہے کہ احادیث کو سہل الحصول بنانے کی وہ راہ اختیار کی جائے جو ”معارفِ حدیث“ میں منتخب کی گئی ہے۔ ربِ کریم استاذ العلماء کے سایہٴ عاطفت کو دنیائے سنیت پر دراز فرمائے۔ اور ان کے علمی و روحانی فیوض و برکات سے عالمِ اسلام کو متمتع فرمائے اور اس مجموعہ کو رشد و ہدایت کا ذریعہ بناتے۔ آمین سجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

مشاق احمد نظامی

متم دارالعلوم غریب نواز۔ الہ آباد



الاوحى يوحى

نہیں بولے سبجز اس نیست کہ وہ وحی  
ہوتی جو ان پر القام ہوتی۔

آپ کے ایک ایک فعل کا قرآن اسی طرح ذمہ دار ہے جس طرح اپنی آیتوں کا۔

وما اتاكم الرسول فخذوه

وما نهكم عنه فانتهوا (قرآن)

وہ لو اور جس سے روکیں رک جاؤ!

قرآن عظیم کی متعدد آیتیں اس امر پر صاف اور صریح روشنی ڈال رہی ہیں کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم معاذ اللہ، صرف ایلچی اور قاصد نہ تھے۔ آپ کی رسالت کا صرف یہی مقصد نہیں کہ

آپ نے بندوں کے ہاتھ میں خدا کی کتاب دے دی بلکہ آپ حکم دینے والے اور منع کرنے

والے حاکم ہیں۔ آپ حلال و حرام کرنے والے شارع ہیں۔ آپ بانی اسلام ہیں اور آپ نائب

رب العالمین ہیں۔

انہیں نیکیوں کا حکم دیتے ہیں برائیوں

سے روکتے ہیں اور ان کے لیے طیبات

حلال کرتے ہیں اور خبیات حرام فرماتے

ہیں اور ان کے بوجھ اور بڑیاں جو ان

پر تھیں دور فرماتے ہیں۔

ہم نے آپ کی طرف کتاب حق نازل

دی تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اپنی

خدا داد بصیرت سے فیصلہ فرمائیں۔

آپ کے رب کی قسم وہ اس وقت

تک مسلمان ہو رہا نہیں سکتے جب

تک کہ اپنے اختلافات میں آپ کو

یا مرہم بالمعروف وینہی عن

عن المنکر ویجعل لہم الطیبات

ویحرم علیہم الخبیات ویضع

عنہم امرہم والاعلال التی کانت

علیہم (قرآن عظیم)

انا انزلنا الیک الكتاب بالحق

لتحکم بین الناس بہا اراک اللہ

فلا وربک لا یؤمنون

حتى یحکوک فیما شجر

بینہم ثم لا یجدوا فی

انفسہم حرجا مما

قضیت ویسلاوا تسلیم کیا۔  
فیصل نہ تسلیم کریں۔ پھر آپ کے فیصلہ کے  
خلاف دل میں تنگی محسوس نہ کریں اور آپ کے  
مطیع و متقاد ہوں۔

آپ کی اطاعت اور فرماں برداری اسی طرح فرض ہے جس طرح قرآن عظیم کے احکام کی  
سجا آوری بلکہ آپ کی اطاعت ہی احکام قرآنی کی سجا آوری کا دوسرا نام ہے۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ  
تھمارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
اسوۃ حسنہ۔

و سلم کی سیرت میں اچھی پیروی ہے۔  
قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی  
میری پیروی کرو خدا تم کو محبوب بنا لے گا۔

ومن یضع الرسول فقد  
جس نے رسول اللہ کی پیروی  
الطاع اللہ۔ (قرآن)  
کی اس نے خدا کی فرمانبرداری کی۔

اس لیے جو شخص قرآن کو سندا مانتا ہے اسے حدیث رسول کو سندا مانے بغیر چارہ نہیں۔  
ہاں قرآن کا انکار کر دے، مذکورہ بالا آیتوں کو جھٹلا دے تو اور بات ہے۔

بلکہ قرآن مجید کی سندی حیثیت جو آج متفق علیہ اور مسلم الثبوت ہے خود اس کی تفصیل  
میں جائیے تو سورت حال یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بات کہی اور فرمایا کہ یہ خدا  
کا کلام ہے۔ دوسری بات فرمائی اور یہ ارشاد ہوا یہ میری بات ہے۔

والوں نے سر تسلیم خم کر لیا جس کو خدا کا کلام کہا، وحی الہی مان لیا، جو نکرکار کی بات تھی اسے حدیث  
قرار دیا۔ پس یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ حضور کے فرمانے سے تو ہم نے قرآن کو قرآن مانا اس کی سندی  
حیثیت تسلیم کی اور خود یہ فرمان رسول بے سند رہا تو یہیں سے یہ بات روشن ہو گئی کہ ہم قرآن  
کو خدا کا کلام اسی وقت مان سکیں گے جب حدیث رسول کو بنیادی حیثیت دیں۔ پھر یہ کتنی  
عجیب ایسا صادق ترین حقیقت ہے کہ آج سے چودہ سو سال قبل جب کہ نہ تو کسی نے حدیث

کی اس حیثیت کو چیلنج کیا تھا نہ کسی کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات آسکتی تھی کہ حلال و حرام تو بس وہی ہے جو کلام اللہ میں ہے رسول کو اس کا کیا اختیار؟ وہ بس ایچی اور قاصد میں (معاذ اللہ) بلکہ اس وقت جتنے لوگ تھے، سب آپ کی ایک ایک بات، ایک ایک اشارہ ابرو کو اپنا دین و ایمان سمجھتے تھے، اس وقت آپ فرماتے ہیں۔

نہ ٹیک لگاتے تم میں اپنی کرسی پر  
اس کے پاس میرا کوئی حکم آئے جس  
سے میں نے کسی چیز کا حکم دیا یا کسی  
چیز سے روکا تو کہے میں نہیں جانتا جو  
کتاب اللہ میں ہے، ہم اسی کا اتباع  
کریں گے۔

لا الفین احدکم علی اریکتہ  
یا تیہ امر من اموی مہا  
امرت بہ او نہیت عند فیقول  
لا ادری ما وجدنا فی کتاب اللہ  
اتبعنا (مشکوٰۃ شریف بحوالہ احمد ابوداؤد و  
ترمذی شریف)

خبردار! مجھے قرآن اور اسی کے مثل  
حدیث دی گئی ہے، خبردار کوئی آسودہ  
حال اپنی کرسی پر یہ نہ کہے کہ اس قرآن  
کو لازم پکڑو جو اس میں حلال ہے اسے  
حلال جانو، اور جو اس میں حرام ہے  
اس کو حرام بے شک جس کو رسول نے  
حرام کیا وہ بھی اسی کی طرح ہے جس کو  
خدا نے حرام کیا، خبردار گھر لو گدھا حرام

الا فی او تبت القرآن و مشد  
معہ الا یوشک رجل شعبان علی  
اریکتہ یقول علیکم بهذا القرآن  
فما وجدتم فیہ من حلال فاحلوه  
وما وجدتم فیہ من حرام فحرموه  
وان ما حرم رسول اللہ کما  
حرم اللہ الا لا یحل لکم حمار  
اہلی۔

(مشکوٰۃ شریف بحوالہ ابوداؤد و ترمذی)

کیا یہ حدیث اس امر کی واضح دلیل نہیں کہ "غیب داں" نبی نے آنے والی صدیوں میں  
"منکرین حدیث" کے خدا و حال دیکھ لیے تھے اور چودہ سو سال قبل ہی سداب کے لیے واضح پیشگوئی

فریادی قوم بہار آئندہ نسلیں اس واضح ہدایت کی روشنی میں حق و باطل کا امتیاز کر سکیں۔ گویا فتنہ انگار  
حدیث ہی فتنہ بان کی طرح ایک نامزد فتنہ ہے۔

ان روایت نبویہ کی اہمیت اور اس کی بنیادی حیثیت کا اندازہ اسی سے لگایا جاسکتا ہے  
کہ مسلمانوں نے اس کے جی حفظ و بقا کا تقریباً وہی انتظام کیا جو کم و بیش یہ قوم قرآن کے ساتھ  
رہ چکی تھی۔

① کتابت نمود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ان کے ارشادات آپ کی  
مذکورہ جگہ آپ کے حکم سے قلم بند کیے گئے۔

عن ابن عمر وقال كنت اكتب كل  
شيء اسعه من رسول الله صلى  
الله عليه وسلم اريد حفظه  
فنهاني قریش وقالوا اكتب كل  
شيء ورسول الله صلى الله عليه  
وسلم بشيئتكلم في الغضب والرضا  
فامسكت عن الكتابة فذكرت  
ذلك رسول الله صلى الله عليه  
وسلم فادما باصبعة الى فيه  
فقال اكتب فوالذي نفسي بيده  
ما يخرج منه الا الحق - (ابوداؤد)

حضرت عبد اللہ بن عمرو کہتے ہیں کہ میں  
حضور سے جو بھی سنتایا کرنے کی  
غرض سے لکھ لیتا۔ قریش نے مجھ کو  
منع کیا اور کہا کہ حضور بشر ہیں۔ غصہ اور  
رضامندی دونوں حالتوں میں بات  
کرتے ہیں تو میں تحریر سے رک گیا۔  
پھر حضور سے میں نے اس کا ذکر کیا۔  
آپ نے دہن اقدس کی طرف اشارہ  
کر کے فرمایا لکھ لیا کر۔ اس ذات کی قسم  
جس کے قبضہ قدرت میں میری جان  
ہے اس منہ سے صرف حق ہی نکلتا ہے۔

حضرت عبد اللہ نے اپنی اس کتاب کا نام صادقہ رکھا تھا۔ یہ کتاب کتنی ضخیم ہوگی اس  
کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ جن کی تعداد مرویات پانچ ہزار تین سو چوبیس  
ہے، وہ فرماتے ہیں۔

ما من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ

وسلم اکثر حدیثا منی الا ما کان

فی عبد اللہ بن عمرو۔

(بخاری شریف اول ص ۲۲)

حضور کے صحابہ میں مجھ سے زیادہ کسی

کے پاس "حدیث" نہیں۔ سوائے

عبد اللہ بن عمرو کے۔ (اس کی وجہ

وہی تحریر حدیث ہے)

۴۲) عرب کا خداداد حافظہ، جو ان کی تاریخ کا محافظ، ان کے نسب ناموں کا امین رہا۔

بلکہ جس کی جولانیاں اونٹوں اور گھوڑوں کے نسب ناموں کے میدان میں اپنی روانی دکھاتی رہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے عرب کے خمیر میں یہ مخفی خزانہ اسی لئے رکھا اور برابر مختلف سمتوں میں اس کی ممارست سے اس پر جلا اسی لئے ہوتی رہی کہ نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک چیز کی تفصیل کو اسی عربی حافظہ کی مدد سے پوری دنیا تک پہنچانا تھا۔ چنانچہ آپ کی بارگاہ کے حاضر باش صحابہ نے پوری جاں کا ہی اور دل سوزی کے ساتھ آپ کی حیات طیبہ کی ایک ایک تفصیل یاد کی۔ اس کو باہم ایک دوسرے سے دہراتے رہے۔ اور گل کا گل دیانت داری کے ساتھ کھلی نسل کو سپرد کر دیا۔ یہی حضور کی تاکید تھی اور اسی پر آپ کے ماننے والوں کا عمل رہا۔

میری حدیثیں یاد کرو اور اپنے بعد

والوں کو بتاؤ۔

احفظوا و اخبروا من ورائکم۔

(بخاری شریف)

اللہ اس بندے کو آسودہ کرے۔

جس نے میری بات سنی تو اس کو

یاد کیا، محفوظ رکھا۔ پھر جیسا سنا تھا

دوسروں تک پہنچا دیا تھا۔

حضرت علی نے فرمایا حدیث شریف

کا دورہ کیا کرو اور اس سلسلہ میں باہم

ملا کرو۔ اگر ایسا نہیں کرو گے تو علم

نضر اللہ عبداً سمع و اتالی

فحفظها و و علیها و اداھا کما

سمعھا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۸)

قال علی تذاکروا الحدیث و تراووا

فانکم ان لم تفعلوا یدرس

العلم۔ (دارمی ص ۷۹)

مٹ جائے گا۔

③۔ سند یہ تصور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد گرامی سے عہد شہرت تک ہر ہر حدیث کی روایت

بنتے آدمیوں نے حصہ لیا نہ اک کا نام سلسلہ وار بلکہ ایک ہی حدیث کے کئی کئی سلسلے جس  
کے ذریعوں پر آج بھی پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ حضور کی یہ بات ہم تک نہ کن ذریعوں  
پہنچی ہے۔

④۔ "اسماء الرجال" نقل حدیث میں حصہ لینے والے پانچ لاکھ آدمیوں کی بستی، ان کا  
نام، والد کا نام، کس سے پڑھا، ان سے کس کس نے علم حاصل کیا، ان کا کیر کیر کیا تھا، حافظہ کز  
تو نہ تھا، جھوٹ تو نہ بولتے تھے، امانت و دیانت میں تو کوئی کمی نہ تھی؟ غرضیکہ وہ ساری تفصیل جس  
سے یہ بھر و سر حاصل ہو سکے کہ اس شخص نے پوری دیانت داری کے ساتھ حدیث سنی اور جیسی سنی تھی ویسی  
ہی دوسروں تک پہنچادی، پھر ان پر مستزاد "علماء جرح و تعدیل" جو کسی بڑے بڑے انسان کی بھی  
کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ کمزوری یا بھول چوک کبھی معاف نہیں کرتے بلار و رعایت کذاب، مفسری  
متوک الحدیث، یومر، قد اخلط فی اخر عمرہ وغیرہ کہہ کر روایات حدیث کے اس چشمہ صافی کو  
کھنکالتے اور صاف کرتے رہے جس کی وجہ سے آج بھی کسی وسیلہ کار کو حدیث میں آمیزش  
کرنی تقریباً ناممکن ہے۔

⑤۔ اصول حدیث، جس میں حدیث کی سند اور اس کے متن دونوں حصوں کی جانچ

پڑتال، تقسیم و تفصیل مفہوم سند کے لحاظ سے درجہ بندی، القرض حدیث نبوی سے متعلق ساری  
تفصیلات اور ان سے مفصل بحث کی جاتی ہے تاکہ حدیث سے ثابت ہونے والے احکام  
اور انکی نہ کلیت پوری طرح اجاگر ہو سکے۔

القرض عہد رسالت سے آج تک اگر قرآن کریم کی حفاظت کے یہی دو طریقے مسلمان قوم

میں رائج ہیں کہ اسے صحیفوں میں لکھا گیا ہے اور سینوں میں محفوظ کیا گیا ہے۔ تو احادیث کریمہ  
کی حفاظت و بقا سے بھی اہل اسلام اس عہد سے آج تک اسی طرح عہدہ براہوتے رہے کہ سینوں

کے ساتھ ساتھ سفینوں میں بھی رہے متقوش اور محفوظ ہوا رہا اور اس وقت سے آج تک سبھی مسلمان اس کو مثبت احکام سمجھتے رہے، وحی غیر متلو ماننے رہے۔

ہاں یہ فرق ضرورت کہ قرآن حکیم کو ایک مدون کتاب کی شکل لکھ کر نہ سہی، یا کرانے جاب

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے تب جب کہ احادیث نبویہ کو کسی مرتب کتاب

کی شکل نو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ دی، اس کی تدوین حضور کے دور میں بھی صحابہ نے اپنے

طور پر کی اور بعد کی صدیوں میں بھی لوگوں نے اپنے اپنے طور پر ان کو کتابی شکل میں مدون کیا

لیکن اس سے اگر اثر پڑ سکتا ہے تو احادیث کی مدونہ صورت اور مرتبہ شکل پر یعنی یہ کہا جاسکتا ہے

کہ حضور نے احادیث کو کتاب کی شکل میں مرتب نہیں فرمایا اس لئے متداول صحیفوں میں بخاری،

ہی کیوں نہ ہو، ہم کسی پوری کتاب کو اصل اسلام اور سرچشمہ دین نہیں کہہ سکتے۔ یہاں کتابوں سے

نہیں ہر حدیث سے الگ الگ بحث ہوگی، کسی بھی مجموعے کی کوئی بھی حدیث اگر اتنے زاویوں

سے مروی ہو کہ ان کا جھوٹ بولنا عاوانا ناممکن ہو، اور ہم کو اس کا یقین ہو رہا ہے کہ وہ قول کل

ہے تو وہ حدیث متواتر ہے اس سے جو حکم ثابت ہو قطعی جس طرح قرآن سے ثابت شدہ امر

اور جو اس سے جس قدر بھی ثبوت میں کم درجہ ہو اس سے ثابت شدہ حکم کی نوعیت بھی اسی حیثیت سے

بلکی ہوتی جلتے گی۔ لیکن یہ بلکا پین حدیث رسول ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ اس وجہ سے کہ

اس کے قول رسول ہونے میں شبہ ہے۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح قرآن کی نساذ قرآنیہ نہ قرآن

قرار دی جاتی ہیں نہ ان سے حکم ثابت ہوتا ہے کہ ان کا ثبوت حد تو اترا کو نہیں پہنچا ہے۔ یعنی یہ

قطعیت کے ساتھ معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بھی قرآن قرار دیا ہے۔

پس یہ ایک ناقابل انکار اور غیر متزلزل حقیقت ہے کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم

بھی اصل اسلام اور سرچشمہ دین ہے اور میں کہتا ہوں کہ ان سب سے قطع نظر خود احادیث کریمہ

کی معجزانہ تاثیر، اس کی لازوال دل آویزی اور بے پناہ تسخیری قوت ہی اس کی بنیادی اہمیت کی

سب سے بڑی دلیل ہے۔ اس پاک و صاف چشمہ حیواں کی انسانوں کو اس وقت تک ضرورت

رہے گی جب تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو سمجھنا چاہیں گے بلکہ قرآن فہمی کے لئے بھی اولین بنیاد احادیث رسول ہی ہیں، اس لئے

فتنوں کا طوفان اس شمع حقیقت کی روشنی کو فنا نہیں کر سکتا حقیقت پھر بھی حقیقت ہے۔ فتنے اپنی موت آپ مرا کرتے ہیں۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ احادیث نبویہ کی کثرت اور وسعت کے ساتھ اشاعت ہوتی رہے۔

احادیث نبویہ کا زیر نظر مجموعہ اس کی اردو تشریحات کے ساتھ اس حیثیت سے کافی اہم ہے کہ اس سے قبل بھی ایک مرتبہ اہل اسلام کے ایک بڑے حلقے سے خراج تحسین حاصل کر چکا ہے اور اس حیثیت سے بھی کہ اس کے مؤلف شیخ الحدیث دارالعلوم اشرفیہ حضرت مولانا الشاہ عبدالعزیز صاحب مغفقات وقت سے ہیں۔ ہر چند کہ اس کی تالیف اس عالم میں ہوئی کہ تقاضا ہوا اور بروقت جو ہو سکا لکھ کر پریس کے حوالے کیا گیا اور اس بالاقساط نے رسالہ کی شکل اختیار کر لی۔

آپ ۱۳۱۲ھ کی کسی دو شنبہ کی صبح کو ضلع مراد آباد کے ایک قصبہ بھوجپور میں حافظ غلام نور صاحب مرحوم مغفور کے گھر پیدا ہوئے۔ ولادت کے وقت دادا مرحوم ملا عبد الرحیم صاحب حیات تھے۔ محلہ کی بڑی بوڑھیوں نے اپنی عادت کے موافق کہا ”پیرا“ آیا ہے، دادا مرحوم نے فرمایا، نہیں میں نے اس کا نام عبدالعزیز رکھا ہے، دلی میں اس نام کے ایک بہت بڑے مولانا محدث گزرے ہیں۔ میری آرزو ہے کہ یہ سچے پڑھ کر عالم دین ہو۔

”حفظ“ آپ نے اپنے والد سے پڑھا۔ پرائمری درجات کی تعلیم وطن میں ہوئی۔ مولوی عبد المجید صاحب سے ابتدائی فارسی پڑھ کر تعلیم ختم کر دی اور قصبہ کی بڑی مسجد میں مدرسہ حفظ القرآن کے مدرس مقرر ہو گئے۔ قرآن عظیم سے ایسا شغف ہوا کہ روز ایک ختم تلاوت کرتے اور صحیفہ کی طرف مراجعت کی ضرورت نہ پڑتی۔ شہر مراد آباد میں آپ کا مشہور تھا پورا قرآن

شرفیہ محراب میں سنا کر اٹھتے اور ذرہ برابر نکان محسوس نہ کرتے۔ تقریباً پانچ سال اس طرح گزر گئے۔ شہر کے ایک حکیم مولوی محمد شریف صاحب مرحوم علاجِ مُعالجہ کے سلسلہ میں آتے رہتے تھے۔ نمازِ آپ کے پیچھے ہی پڑھتے۔ انہوں نے صحتِ خوانی کی تعریف کی اور فرمایا: "حافظ صاحب! آپ ہم سے طب پڑھ لیں۔ آپ کا مزاج علم کے مناسب ہے، آپ نے معذرت کی کہ میں غریب اور ضرورت مند آدمی ہوں۔ مراد آباد جا کر آپ سے کیسے پڑھ سکتا ہوں، انہوں نے روزانہ آمد و رفت کا کرایہ دینے کی حامی بھری۔ آپ نے والد صاحب سے تذکرہ لیا، انہوں نے فرمایا: روز آنے جانے کی ضرورت نہیں۔ مراد آباد رہ کر ہی تعلیم حاصل کرو، اس طرزِ دوبارہ تعلیم کا سلسلہ جاری ہوا۔ حکیم صاحب موصوف مولانا عبدالحق صاحب خیر آبادی کے شاگرد اور بقیہ علمِ شخص تھے۔ طریقہ تعلیم نہایت عمدہ تھا۔ گلستان سن کر فرمایا: "آپ کا ذہن عربی کے موافق ہے وہ پڑھتے، پندرہ دن میں میزان و منسحب یاد کر کے سنا، مہینہ بھر میں نحو، میرونیچ و گنجائیس کے بعد کسی وجہ سے انہوں نے پڑھانے سے معذوری کی تو جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں آ رہے۔ وہاں تعلیم کی وہ برق رفتاری قائم نہ رہ سکی۔ تین سال میں شرح جامی تک پہنچے۔ اتفاق سے آل انڈیائی جماعت کے سلسلہ میں ہندوستان کے طول و عرض سے علما مراد آباد پہنچے۔ انہیں میں حضرت صدر الشریعہ مولانا شاہ امجد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔ دل بے اختیار ان کی طرف کھنچا، ان سے خواہش ظاہر کی۔ فرمایا: "جمیر شریف آؤ پڑھا دوں گا۔ پڑانچہ شوال الحکم ۱۲۴۲ھ میں وہاں پہنچے۔ تعلیم کے لحاظ سے حضرت کے درس کے لائق نہ تھے لیکن آپ نے نہایت شفقت سے اصولِ الشاشی وغیرہ اپنے پاس رکھ لی وہ بھی خارج از اوقات کرا اور یہ سلسلہ اخیر دورہ تک قائم رہا۔"

ملا حسن کی تعلیم کے بعد خانگی الجھنوں کی وجہ سے حضرت صدر الشریعہ کی خدمت میں یہ خیال ظاہر کیا کہ مجھے دورہ دے دیا جائے تو فرمایا: "آپ کو بہر حال تعلیم مکمل کرنی ہے۔ پورا دس نظامی فنون کے ساتھ پڑھنا ہے۔"

دورانِ تعلیم میں کچھ تو داؤخیز اجمیر، پھر احاطہ خواجہ بزرگ کی برکت، کچھ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کا فیض، کچھ افتادِ طبع، کچھ سن کا تقاضا، پورے ہم سبقوں میں آپ کو اور مولانا سردار احمد صاحب علیہ الرحمہ کو بہت عزیز محسوس کیا، کہا جاتا اور سانسے خیال رکھا جاتا۔ الغرض پورا زمانہ تعلیم اسی طرح گزرا۔ پڑھنا، مطالعہ کرنا یا نماز و عبادات، دنیا اور اس کی مصروفیتوں سے کم ہی سابقہ رکھا۔ تکمیلِ تعلیم کے بعد یہ خیال تھا کہ ملازمت نہ کریں۔ چنانچہ حضرت صدر الافاضل مولانا شاہ سید نعیم الدین صاحب علیہ الرحمہ نے آگرہ میں مولانا سار احمد صاحب کانپوری مرحوم کی جگہ بھیجا چاہا لیکن معذرت کر دی۔ یہ واقعہ شعبان ۱۳۵۲ھ کا ہے۔ اسی کے بعد سوال میں صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے بریلی بلایا اور فرمایا: "میں باہر رہا اور میرا ضلع خراب ہو رہا ہے میں آپ کو خدمتِ دین کے لیے مبارک پور بھیجتا ہوں۔ عرض کی گئی: "میں ملازمت نہیں کرنا چاہتا۔" ارشاد ہوا: "میں نے ملازمت کو کب کہا ہے۔ میں نے تو خدمتِ دین کی بات کی ہے۔ یہ مت دیکھئے گا کہ وہاں کیا ملتا ہے۔"۔

الغرض ۲۹ شوال المکرم ۱۳۵۲ھ کو مبارک پور صدر مدرس ہو کر مشاہیرہ مبلغ پینتیس روپے تشریف لائے جب کہ آگرہ کی جگہ مبلغ سو روپے مشاہیرہ تھی۔

مبارک پور میں مقامی دنیا دار علماء پہلے ہی سے تھے۔ پھر طرہ یہ کہ انھیں آپ سے اختلاف عقائد بھی تھا۔ اس لیے آپ کو اٹھارنے کی خاطر مناظرے ہوتے، مجادلے کیے گئے، فساد برپا کیا گیا، مقدمے چلے، غرض وہ جو کر سکتے تھے اس میں کوئی کمی نہ کی۔ یہ اور بات ہے کہ اس کوشش میں خود ان کی قبریں بالکل ہل گئیں۔ اور آپ بلکہ نیت کے قدم مضبوط ہو گئے۔ جب آپ مبارک پور آتے تھے تو اشرفیہ ایک خام عمارت میں تھا اور آج اس کی تقریباً پانچ لاکھ کی اپنی شاندار یہ منزلہ بلڈنگ ہے۔ مزید ہزاروں روپے کی جائیداد اس کا مستقل سرمایہ ہے۔ تری، فوٹو تالی و جات، یہ کل دو طالب علم تھے اور اب طلبہ کی تعداد چھ سو سے تجاوز کر چکی ہے۔ جن میں تین سو بیرونی طلبہ کو مدرسہ کی جانب سے کھانا ملتا ہے۔ تب مدرسہ کی کل سالانہ آمدنی دو ہزار آٹھ سو روپے تھی اور اب ساٹھ ہزار کے لگ بھگ ہے۔ اس ۲۴ سال کی مدت میں اشرفیہ

کو آپ کی ذات سے اور آپ کی ذات کو اشرفیہ سے الگ کر کے سوچا نہیں جاسکتا۔ ایک دفعہ بدول ہو کر آپ الگ ہو گئے تھے لیکن مدرسہ تیزی کے ساتھ زوال پذیر ہونے لگا اس لیے لوگ پھر بلا لاتے۔

الفرض آپ کی ۳۳ سالہ بے مثال قربانیوں کا ثمرہ یہ "اشرفیہ" ہے جو ہندوستان میں اپنا ایک مقام رکھتا ہے جس کے فارغ التحصیل ملک و بیرون ملک دور دراز گوشوں میں پھیلے ہوتے ہیں۔ اس کے لیے آپ نے اپنی زندگی وقف کر دی۔ فاقہ کیا مگراف تک نہ کی۔ کبھی تنخواہ کے اضافے کی درخواست نہ دی۔ یہ اور بات ہے کہ زمانہ اور وقت کے لحاظ سے خود ہی لوگوں نے جو کچھ کیا کیا۔ اور آج بھی عزت و آبرو سے بے نیاز نام و نمود سے بے پروا ہو بھی ممکن ہوتا ہے مدرسہ کے لیے دریغ نہیں کرتے۔ قصبہ کی جاگیریں خود لگاتے ہیں۔ رمضان المبارک میں مدرسہ کی مالیات کے لیے جہد و جہد کرتے ہیں اور اس عمر میں بھی اوقات تعلیم میں پوری ڈیوٹی پھ گھٹتے کرتے ہیں اور پھر اسباق پڑھاتے ہیں۔

زندگی نہایت سادہ بلکہ مسکنت پسند، اپنے معمولات کے نہایت پابند، مسلسل ۳۳ سال سے لوگ مبارکپور کے راستوں میں آتے جاتے دیکھتے ہیں لیکن کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ کبھی ان کو نظر اٹھا کر چلتے دیکھا۔ وعظ کی محفلوں میں رات کے دوپہی کیوں نہ بچ جائیں نہ جہد قضا ہوگی نہ نماز فجر میں نے چلتی ٹرین میں دیکھا کہ صبح نماز فجر کے بعد سر مہ لگا رہے ہیں۔ فرماتے لگے مسنون تو رات میں سر مہ لگانا ہے لیکن مجھ سے اس وقت نہیں ہو پاتا اس لیے میں نے اس وقت التزام کر لیا ہے کہ نفس سنت کیوں چھوٹے اور میں ناغہ نہیں کرتا۔ الحمد للہ آج بھی میری آنکھوں میں کوئی ترابی نہیں۔

ٹرین میں فرض نماز اتر کر پڑھنے کے عادی ہیں۔ اس کے لیے آپ نے نئی بار تو گاڑی چھوڑنے کا بھی خطرہ مول لیا۔ مثلاً گاڑی ذرا اک آؤٹ سنگل پر رکھی، اور آپ نے اتر کر نماز شروع کر دی گویا ٹرین چھوڑ دی۔ یہ اور بات ہے کہ ٹرین نے آپ کو نہ چھوڑا۔ جھوٹے

دشمنی کی حد تک پرہیزہ ایک دفعہ وقت کی مہربانی سے آپ جیل گئے۔۔۔ اعظم گڑھ کے سرکردہ مسلم وکلاء نے بڑی کوشش کی اور ایک درخواست کا مسودہ مرتب کر کے لاتے کہ اس پر دستخط کر دیجئے۔ آپ نے پڑھ کر سنا سن میں ایک بات خلاف واقعہ تھی۔ فرمایا اس پر دستخط نہیں کروں گا، جو لوگ آتے تھے ہزار سرٹیک کر رہ گئے یہ ضروری ہے۔ اسی میں مصلحت ہے۔ دستخط کر دینے میں کیا حرج ہے؟ لیکن آپ کا موقف یہ تھا، سچ ہر مصلحت اندیشی سے بے نیاز ہے پروا ہے نہ

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی — اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی  
بعد میں کلکٹر صاحب نے انہیں حضرات کی سعی و سفارش سے بلا درخواست ہی رہا کر دیا۔ جیل میں جاتے وقت بھی کہا تھا، الحمد للہ، اور واپس آتے تب بھی وہی جملہ ورد زبان تھا۔ قوت ارادی اتنی مضبوط اور عزیمت پسند کہ پوری حزم و احتیاط یا شرعی ہدایات کی روشنی میں رائے مشورہ کے بعد جو عزم کر لیا یا دین کا واضح مسئلہ تو پھر کوئی طاقت اور وقت کا کوئی دھارا انہیں اپنے فیصلہ سے نہیں پلٹا سکتا۔

آپ علاج میں انجکشن کے قائل نہیں بلکہ ایلوپیتھک وغیرہ دواؤں سے الکوہل یا یا اسپرٹ کی آمیزش کی وجہ سے احتیاط فرماتے ہیں۔ ایک دفعہ آپ کو کتے نے کانا، عطائی اور یونانی طریقوں سے علاج ہوا لیکن زہر کا اثر اتنا ہوا کہ پیر بالکل سوج گیا جس کے اچھے ہونے میں زحمت محسوس ہونے لگی۔ لوگوں نے ہر طرح معرض کی، حضور یہ موذی جانور ہے انجکشن لگوا لیجئے۔ اس وقت مبارکپور تھانہ پر جو دیوان تعینات تھے وہ میرے پاس آتے اور کہنے لگے۔ آپ، ان کے مزاج میں ذخیل ہیں، چلیے کہا جائے، اپنی خاطر سے نہیں، ہم لوگوں کی خاطر انجکشن لگوائیں۔ ان کی جان ہمیں بھی عزیز ہے۔ وہاں گئے تو ایک جواب تھا۔ آئنا انجکشن کی تدبیر و ایجاد سے پہلے بھی لوگوں کو کتے کاٹتے تھے اور مقامی علاج سے اچھے ہو جاتے تھے۔ میں نے وہ سب کر لیا ہے۔ انجکشن میرے مشرب کے خلاف ہے اور

اپنے خدا پر مجھے بھروسہ ہے وہ مجھے وق نہ کرے گا، پناہ نہ خود بخود وہ زخم اچھا ہو گیا۔ بیویوں  
سال گزر گئے۔ الحمد للہ کہ لوگ اس واقعہ کو بھول بھی گئے۔

سیوان کے جلسوں کی دعوت قبول کر لی۔ درمیان میں بخار ہو گیا اور آپ نے علاجاً قاقہ  
شروع کر دیا۔ دو تین روز کے قاقہ کے بعد بھی بخار کم نہ ہوا۔ آپ نے ایفائے عہد کے خیال  
سے سفر کیا اور اسی حال میں تین تقریریں کیں جن میں کوئی ڈھالی گھنٹہ کی تھی عمر ۷۲ سال کی ہے۔ مگر  
آج بھی ۶۴-۶۵ میل پیدل چل کر تبلیغ فرماتے ہیں۔ چونتیس سال سے مسلسل بخاری شریف کا درس  
دے رہے ہیں۔ سیکڑوں طلبہ آپ کے درس سے اٹھے جو ہندو پاک میں اپنی بہترین صلاحیتوں  
کی وجہ سے اہل سنت کا افتخار ہیں۔

# سختی چاند

حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کی شخصیت دنیائے علم و دانش میں محتاج تعارف نہیں۔ انھوں نے معارف حدیث جس انداز میں قلم بند کیے ہیں اور احادیث مبارکہ کے اسرار و غوامض کو جس عام فہم اسلوب میں پیش کیا ہے، اس سے جہاں واعظین اور علمائے کرام مستفید ہوں گے وہاں عامۃ المسلمین بھی اس کے مطالعے سے محسوس کریں گے کہ احادیث کے مفہیم و معانی تک ان کی رسائی آسان ہو گئی ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے عام طور پر اس مقصد کے لیے ایسی احادیث منتخب کی ہیں جو روزمرہ کے معاملات میں ہماری راہنمائی کرتی ہیں اور ان میں موجود حکمتوں سے واقف ہونے کے بعد انسان اپنی ذات کے لیے، اپنے اجا و اعزہ کے لیے، اپنے شہر اور ملک کے لیے اور پورے مسلم معاشرے کے لیے کارآمد اور مفید حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔

میں نے بھی معاشرتی برائیوں کے انسداد ہی کے نقطہ نظر سے کتاب میں کچھ اضافے کیے ہیں۔ نذیر سنز پبلشرز کے پروپرائیٹر جناب نذیر حسین افادہ عام کی غرض سے اس کتاب کی اشاعت کا اہتمام کر رہے ہیں۔ مولا کریم انیس جزائے خیر دے۔ آمین!

راجا رشید محمود۔ ایم اے

ایڈیٹر ماہی "فسر دزاں"

جناب ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور

86214

~~86214~~



نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

## معارف حدیث

تمام افعال و اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے۔ جیسی نیت ویسا ہی عمل نیک یا ناپسند سے عمل مقبول ہے، باعث اجر و ثواب ہے، بد نیتی سے عمل مردود ہے۔ موجب عذاب و عتاب ہے۔

قول ہو یا فعل اخذ ہو یا ترک، از قبیل عبادات ہو یا معاملات، کسی عمل پر بھی اجر و ثواب کا حصول حسن نیت پر موقوف ہے۔ اصول دین میں یہ اصل عظیم اصل الاصول ہے جس کی مبارک تعلیم سید انبیاء محبوب کبریا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں دکھائی ہے جس کو حضرت عمر خطاب رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے:

حدیث: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما الاعمال بالنیات وانما لامرئ ما نوى فمن كانت هجرته الى الله ورسوله فهجرته الى الله ورسوله	ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعمال کا ثواب حسن نیت پر موقوف ہے مرد کے لئے وہی ہے جس کی نیت کی، وہ شخص جس کی ہجرت اللہ اور اس
--	---

فمن كانت هجرته الى دنيا  
 يصيبها او امرؤة يتزوجها  
 فهجرته الى ما هاجر اليه  
 (بخاری و مسلم)

کے رسول کے لیتے ہے۔ اس کی  
 ہجرت مقبول ہے اور جس کی ہجرت  
 حصول دنیا کے لیتے ہے یا کسی عورت سے  
 نکاح کرنے کے لیتے ہے اس کی ہجرت  
 مردود ہے۔

یعنی کوئی عمل بھی خواہ کیسا ہی عظیم الشان کیوں نہ ہو جب تک وہ خالص اللہ اور اس کے  
 رسول کے لئے نہ کیا ہو معتبر نہیں۔ ہجرت کا مقام ہے کہ ہجرت جیسا عمل بھی اگر رضائے الہی کے  
 لئے نہیں تو مردود ہے۔

اس حدیث کی عظمت و فضیلت، صحت و قوت پر تمام محدثین کا اتفاق ہے۔ کثرت و رواۃ  
 و کثرت طرق کا یہ عالم ہے کہ بعض محدثین نے اسے متواتر کہا ہے۔

**توضیح** باعتبار نیت کے نیت قصد و ارادہ کا نام ہے لیکن یہاں مراد تقرب الی اللہ کا قصد  
 و ارادہ ہے یعنی جو کام کرے اللہ کے لئے کرے، اس کی فرمانبرداری کے لئے ہو۔ اسی کی رضا  
 خوشنودی مطلوب ہو۔

**تنبیہ** نیت فعل قلب سے زبان سے کہنے کی حاجت نہیں۔ اگر زبان سے بھی کہے تو  
 بہتر ہے لیکن اگر زبان سے کہا اور دل غافل ہے تو اس کا اعتبار نہیں اور اگر دل  
 میں نیت ہے اور زبان سے نہ کہا یا زبان سے اس کے خلاف نکلا تو یہ نیت معتبر ہے۔ مثلاً ظہر کی  
 فرض نماز کی نیت دل میں ہے اور زبان سے نہ کہا یا زبان سے عصر یا مغرب نکلا تو نماز ظہر صحیح ہے  
 اور اگر دل میں نیت نہیں یا عصر و مغرب کی نیت ہے اور زبان سے نماز ظہر کہا تو ظہر کی نماز  
 نہ ہوگی۔

اعمال کا مدار جب کہ نیت پر ہے تو لوئی عبادت بغیر نیت کے صحیح نہیں اور جس عمل  
**فائدہ** کی نیت کی اس کا ثواب پائے گا۔ لہذا اگر کوئی عمل ایسا ہے جس میں کوئی نیتیں ہو سکتی

ہیں تو جس کی نیت کرے گا اس کا ثواب پائے گا۔ مثلاً ایک فقیر جو اپنا قریبی رشتہ دار بھی ہے، اس کو اللہ کے لیے کچھ دیا۔ اگر صرف محتاج سمجھ کر دیا تو صرف صدقہ کا ثواب پائے گا اور اگر صرف قرابت دار سمجھ کر دیا تو صلہ رحمی کا ثواب پائے گا اور اگر محتاج و قرابت داری دونوں کا لحاظ کرتے ہوئے دیا تو ایک ہی عمل میں صدقہ و صلہ رحمی دونوں کا ثواب پائے گا۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ زکوٰۃ و صدقات ادا کرتے وقت پہلے اپنے عزیزوں، قریبوں اور ضرورت مندوں میں سے جو مستحقین ہوں ان کو دیں اور دیتے وقت صدقہ اور صلہ رحمی دونوں کی نیت کر لیں تو دونوں کا ثواب پائیں گے۔

## مسلمان اور ہجرت

نور ایمان سے سب مومن کا دل جگمگا اٹھتا ہے تو اس کا پاکیزہ اثر و حمایت پر اس درجہ پڑتا ہے کہ روح مرتبہ کمال پر پہنچتی ہے۔ حیوانیت اور زندگی دور اور لوازم ہیبت کا فور ہو جاتے ہیں۔ اس وقت انسان اخلاق حمیدہ سے آراستہ و پیراستہ ہو کر وہ انسان کامل ہو جاتا ہے اور اپنے خالق و مالک کو خوب پہچانتا ہے۔ اس کی طاعت و عبادت میں لذت پاتا ہے۔ پیکر اخلاص بن جاتا ہے۔ جو کام کرتا ہے۔ رضائے الہی اور خوشنودی خداوندی ہی مقصود ہوتی ہے۔ زبان اور ہاتھ ہی کیا جسم کے تمام اعضاء حکم الہی کے ماتحت ہی کار فرما رہتے ہیں۔ ہر حرکت و سکون خوشنودی معبود ہی کے لیے ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں اسی کی طرف رہنمائی فرمائی ہے۔

حدیث : عن عبد الله بن عمر	در ترجمہ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ
عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم	تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی
قال المسلم من سلم المسلمون	اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان
من لسانہ ویدہ والہجر	وہ شخص ہے کہ اس کی زبان اور ہاتھ سے
من ہجر ما نہی اللہ عنہ۔	مسلمان سلامت رہیں۔ اور مہاجر وہ ہے
(بخاری شریف)	جو اللہ کی نافرمانی چھوڑ دے۔

مسلمان کی یہی شان ہے کہ وہ اپنی زبان سے نہ جھوٹ بولے، نہ غیبت کرے۔  
**توضیح** نہ پہلی کھائے، نہ گالی بکے نہ کسی مسلمان کو برا کہے، نہ ہاتھ سے مارے نہ ستائے  
 نہ تکلیف پہنچائے۔

زبان کو ہاتھ پر اس لیے مقدم کیا کہ زبان سے نسبتاً زیادہ ایذا پہنچتی ہے۔ ہاتھ صرف موجود و ایذا پہنچا سکتا ہے۔ زبان سے لہجے سے سوؤں، جو وہ اور آئندہ آنے والوں سب کو

ایذا پہنچتی ہے، قلم زبان کے حکم میں ہے۔ نیز زبان کا زخم نیزہ اور تلوار سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔

جراحات السنان لها التیام      ترجمہ: نیزہ کے زخم تو بھر جاتے ہیں ،  
ولا یلتام ما جرح اللسان      لیکن زبان کا زخم مندمل نہیں ہوتا۔

(حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

اس حدیث میں مسلمان کی تخصیص بھی بااعتبار غالب کے ہے ورنہ کافر ذمی مطیع الاسلام کا بھی یہی حکم ہے۔ حدیث میں ذمیوں کے لئے ارشاد ہے: **دمائکم کد مائنا و اموالہم کما مالنا**۔ ذمیوں کی جانوں اور مالوں کا حکم ہم مسلمانوں ہی کی طرح ہے۔ ایذا سے مراد ناحق ایذا یعنی ناحق ستانا ہے۔ ظلم و جرم شرعی پر ظالم اور مجرم کو ضرور سزا دی جائے گی۔ زبرد تو بیخ جو مناسب ہو گا کیا جاتے گا کیوں کہ ع

نکوئی بایداں کردن چنانست  
کہ بد کردن بجاتے نیک مرداں ،

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کی ستھری زندگی ایذا رسانی اور مردم آزاری سے بالکل پاک ہونی چاہیے۔ یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جو موذی اور مردم آزار نہیں وہ بہر حال مسلمان ہے بلکہ حدیث میں مسلمانوں کو امن و سلامتی کی تعلیم دی ہے۔ یہ بتلایا ہے کہ مسلمان امن و سلامتی کا علم بوجہ دار ہے۔ مردم آزاری اور ظلم و تعدی اس کا شیوہ ہرگز نہیں۔ مسلمان اس سبق کو یاد رکھیں۔ اس کو اپنا دستور العمل بنائیں، اپنی زبان کو جھوٹ، غیبت، حیل اور بد گوئی سے بچائیں اپنے بھائی مسلمان کی عزت، حرمت کی حفاظت کریں

ہجرت کے شرعی معنی یہ ہیں کہ اپنے دین کی حفاظت کے لئے دارالکفر کو چھوڑ کر دارالاسلام میں بود و باش اختیار کرے۔ یہ ظاہری ہجرت ہے۔ باطنی اور حقیقی ہجرت یہ ہے کہ طبیعت میں جو اخلاق ذمیرہ اور نفس میں جو شیطان شرابی ہیں، ان کو چھوڑ دے اور ان سے باز آجائے

اور حقیقت میں شرعی ہجرت کی یہی غرض ہے کہ انسان حدائے تعالیٰ کی نافرمانی سے باز آ جاتے۔ اگر یہ غرض وطن میں پوری ہے تو وہ بھی فی الحقیقت مہاجر ہے۔ ورنہ صرف ترک وطن سے کیا فائدہ؟ اگرچہ ظاہری ہجرت بھی بحکم شرع واجب ہے جیسا کہ قبل فتح مکہ مکرمہ سے ہجرت واجب تھی۔

حدیث کا مقصود مہاجرین کو ترکِ ممنوعات کی ترغیب دینا ہے کہیں وہ محض ترکِ وطن ہی کو ہجرت نہ سمجھ لیں، اسی پر مفروضہ ہو جائیں۔ نیز ان لوگوں کو تقاضی دینا ہے جو ہجرت پر قادر نہیں، ان کو یہ بتانا ہے کہ تم اپنے رب کے فرمانبردار رہو، اس کی نافرمانیاں چھوڑو، اس کی طاعت و عبادت میں سرشار ہو، تم وطن میں رہتے ہوئے ہجرت کا ثواب پاؤ گے۔

مست جو جام اٹھالے، وہی پیمانہ ہے  
جس جگہ بیٹھ کے پی لے وہی مینا ہے

مسلمان اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم سے ملتی ہیں جتنی پاکیزہ شہری اور سہل تعلیم ہے کہ وطن میں رہتے ہوئے ہجرت کا ثواب حاصل ہو سکتا ہے، کامل مہاجرین سکتا ہے بشرطیکہ خداوند قدوس کی نافرمانی چھوڑ دے۔ اس کی طاعت و عبادت پر کمر بستہ رہے۔

## صراطِ مستقیم کیا ہے؟

دینِ حق صراطِ مستقیم ہی وہ سچا، سیدھا راستہ اور شاہراہ ہے جس پر دوامِ ثبات کی دعاہر مسلمان کرتا ہے، اور پانچوں وقت بارگاہِ خداوندی میں دست بستہ عرض کرتا ہے۔ بار بار عرض کرتا ہے کہ اے ہمارے رب ہمیں سیدھا راستہ چلا، صراطِ مستقیم اتنا بڑا اہم و اعظم مطلوب ہے کہ نماز جیسی مہتمم بالشان عبادت میں اس کی درخواست کی جاتی ہے اور کس اہتمام سے کہ باوجود ہے، قبلہ رو ہے، دست بستہ کھڑا ہے، پیکر ادب اور مجسمہ اخلاص بنا ہوا ہے۔ رب جلیل کی تسبیح و تقدیس ادا کر چکا ہے۔ اس کی تمجید و تمجید کا خطبہ پڑھ چکا ہے۔ اپنی نیاز مندانہ عقیدت کا نذرانہ پیش چکا ہے۔ یہ تمام مراتب و منازل طے کرنے کے بعد پورے خشوع و خضوع اور کامل اخلاص کے ساتھ عرض کرتا ہے: **اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ**۔ اے ہمارے رب ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ **اللَّهُ أَكْبَرُ** کس قدر اہتمام کیا گیا ہے کہ بندہ مخلوق سے بے نیاز اور ساری کائنات سے دست بردار ہو کر خلاقِ مطلق سے لو لگاتے ہوئے پوری روحانیت کے ساتھ معبودِ حقیقی کی جناب میں حاضر ہے۔ پورے جذبہ عبودیت سے ہمہ تن متوجہ ہو کر عرض کر رہا ہے اهدنا الصراطِ المستقیم۔ اس صراطِ مستقیم کی عظمت کا پتہ چلتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ بڑا ہی اہم مقصود ہے، عظیم الشان مطلوب ہے، جیسا تو اس کی درخواست میں اس قدر اہتمام کیے گئے ہیں۔

کیوں نہ ہو صراطِ مستقیم انبیاءِ علیہم السلام، صدیقین، شہداء اور صالحین کا راستہ ہے رضائے الہی و خوشنودی خداوندی کا راستہ ہے۔ معبودِ حقیقی تک پہنچنے کا یہی واحد ذریعہ ہے قرب الہی اور وصالِ درباری کا یہی ایک راستہ ہے۔ اگر اس سے بھٹکا تو گیا اور جہنم میں گیا، ہمیشہ کے لیے گیا، ابد الابد کے لیے گیا۔

اسی لئے سید عالم محبوب رب اکرم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے ہی اہتمام سے صراطِ مستقیم کی تعلیم دی۔ اس کی پوری تفہیم کے لئے ایسی وضاحت فرمائی کہ معقول کو محسوس کر کے کما حقہ ممتاز فرما دیا۔ صرف اسی کو خدا کا راستہ قرار دیا۔ یہ بھی فرما دیا کہ اس کے ارد گرد اور بھی بہت راستے ہیں، مگر وہ سب راستے گمراہی کے راستے ہیں۔

حدیث : عن عبد اللہ بن مسعود قال لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطا ثم قال هذا سبیل اللہ ثم خط خطوطا عن یمنہ عن شمالہ وقال هذا سبیل علی کل سبیل منہا شیطان یدعو الیہ رقراً ان هذا صراطی مستقیماً فاتبعوا ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ -

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری تفہیم کے لئے ایک سیدھا خط کھینچا تاکہ صراطِ مستقیم کی مثال ظاہر فرمائیں پھر فرمایا۔ یہ سیدھا خط اللہ کا راستہ ہے پھر اور خط اس کے دائیں بائیں کھینچے اور فرمایا یہ وہ راستے ہیں کہ ہر راستہ پر شیطان ہے کہ اپنی طرف بلاتا ہے تاکہ راہِ حق سے گمراہ کر دے۔ اور یہ آیت تلاوت فرمائی (خداوند کریم فرماتا ہے) یہ سیدھا راستہ میرا راستہ ہے۔ اسی کا اتباع کرو۔ دوسرے راستوں کی پیروی نہ کرو ورنہ تمہیں گمراہ کر دیں گے۔

(مشکوٰۃ شریف)

اس حدیث کی روشنی میں معلوم ہوا کہ صراطِ مستقیم ایک ہی راستہ ہے، وہی خدا تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ اسی پر چل کر انسان منزل تک پہنچ سکتا ہے۔ اس کے ارد گرد اور بہت سے راستے ہیں مگر وہ ضلالت و گمراہی کے راستے ہیں۔ وہ سب شیطانی راستے ہیں اور جہنم میں لے جانے والے ہیں۔ ان پر چلنے والے سب جہنمی ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ان تمام شیطانی راستوں پر بھی

بلانے والے موجود ہیں اور بلا رہے ہیں، اور یہی کہہ کر بلا رہے ہیں کہ آؤ آؤ یہی سیدھا راستہ ہے، اسی راستہ سے تمہارا مقصود حاصل ہوگا۔ اسی راستہ سے تم خدا تک پہنچو گے۔ خدا تک پہنچنے کا صرف یہی ایک راستہ ہے۔ ہر بلانے والے کا یہی دعوے ہے، یہی آرزو ہے مدعیانِ اسلام کے راستے تو بہت ہیں۔

سب مدعیِ اسلام بڑی بلند آہنگی سے اپنے مذہب کو صراطِ مستقیم ہی کہتے ہیں۔ اس پر چل کر خدا رسیدہ ہونے کا یقین دلاتے ہیں۔ ایسی صورت میں خالی الذہن اور سادہ لوح انسان کے لیے بڑی دشواری ہے۔ آخر وہ کیا کرے؟ کون سا راستہ اختیار کرے؟ اس شخص کی مثال اس مسافر کی سی ہے جو راستہ سے واقف نہیں اور منزل مقصود تک پہنچنا چاہتا ہے۔ منزل کی تلاش میں چوراہے پر کھڑا ہے۔ چاروں طرف بلانے والے بلا رہے ہیں ہر ایک اپنے راستہ کو راہِ راست بتاتا ہے اور منزل مقصود تک پہنچنے کا یقین دلاتا ہے۔

ایسی صورت میں اس شخص کو صرف یہی دیکھنا ہے کہ ان راستوں میں سے وہ کون سا راستہ ہے جس پر چلنے والے بلا نظر منزل مقصود تک پہنچے، بسلا متی ان کے منزل مقصود تک پہنچنے کی اطلاع مل چکی پس اسی راستہ کو اختیار کرے۔ اسی کے داعی کی آواز پر لبیک کہے، ضرور منزل مقصود تک پہنچے گا۔ لہذا طالبِ حق کو یہی دیکھنا ہے کہ وہ مذہب جس کے پیرو خدا رسیدہ ہوتے اور ان کے خدا رسیدہ ہونے کی اطلاع مل چکی، وہ کون سا مذہب ہے۔ اسی کو اختیار کرے۔

وہ مذہب جس پر چل کر لوگ خدا رسیدہ ہوتے اور ان کے خدا رسیدہ ہونے کی اطلاع آچکی، وہ صرف مذہبِ اہل سنت و جماعت ہے۔ دنیا جانتی ہے تاریخِ عالم شاہد ہے کہ اسی مذہب کے پیرو اہل اللہ ہوتے، غوث و قطب ہوتے، ابدال و اولاد ہوتے، ابرار و اختیار ہوتے۔ لہذا طالبِ حق کو مذہبِ اہل سنت و جماعت ہی اختیار کرنا چاہیے۔ حدیث مذکور سے ثابت ہوا کہ صراطِ مستقیم ایک ہی راستہ ہے، وہی مذہب

اہل سنت و جماعت ہے۔

عقلی طور پر بھی صراطِ مستقیم صرف ایک ہی راستہ ہو سکتا ہے، اس لیے کہ مبداء سے منتهی تک جتنے خطوط نکل سکتے ہیں، ان میں خطِ مستقیم سیدھا، ایک ہی ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ تمام خطوط منہنی (ٹیرے)، ہی ہوں گے۔ لہذا معلوم ہوا کہ صراطِ مستقیم صرف ایک ہی ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ تمام راستے کج اور ٹیرے ہی ہوں گے۔

فرق اتنا ہے کہ کسی مقام اور جگہ کو منتهی و مقصود قرار دے کر ٹیرے راستوں سے بھی پہنچنا ممکن ہے۔ اگرچہ بعد مسافت لازم، خطرات حائل۔ لیکن ٹیرے مذاہب اختیار کر کے خدا تک پہنچنا کسی طرح ممکن نہیں۔ مذہب کو جبکہ اور مقام پر قیاس کرنا ہرگز صحیح نہیں، یہ قیاس مع الفارق ہے۔ اس لیے کہ راستے ٹیرے بھی سب اسی منتهی اور مقام کے راستے ہیں اور وہاں تک پہنچاتے ہیں اور مذہب میں جو بھی ٹیرے ہمارا راستہ ہے وہ خدا کا راستہ ہی نہیں بلکہ وہ شیطان کا راستہ ہے۔ اسی لیے حدیث میں فرمایا:

”علیٰ کل سبیل منها شیطان یدعو الیہ“

”ان ٹیرے راستوں میں سے ہر راستہ پر شیطان ہے جو اپنی طرف بلاتا ہے۔“ لہذا معلوم ہوا کہ مذہب میں صراطِ مستقیم کے سوا ہر ٹیرے راستہ شیطانی راستہ ہے وہ شیطان تک پہنچاتا ہے۔ جہنم تک جانے کا صرف ایک راستہ ہے، وہی صراطِ مستقیم ہے۔

شیطان کا کام چونکہ اغواء اور فریب کاری ہے، اس لیے وہ شیطانی راستہ کو بھی جہانی و اسلامی راستہ بتاتا ہے۔ اسلام ہی کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس لیے مدعیانِ اسلام کے بہت سے فرقے ہو گئے۔ پچانوچہ منجبر صادق جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت پہلے فرمایا تھا:

وتفرق امتی علی ثلاث و رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

سبعین ملة کلہم فی فرمایا میری امت تہتر فرقے ہو جائے

النار الا ملة واحدة گی، سبھی دوزخی ہیں صرف ایک فرقہ

قالوا من هي يا رسول الله . جنتی صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ

قال ما انا عليه واصحابي . وہ جنتی فرقہ کون ہے؟ فرمایا جس پر میں اور

(رواه الترمذی) میرے صحابہ ہیں، اسی راہ پر چلنے والا

جنتی ہے،

اس حدیث میں امت سے مراد امت اجابت ہے اور افتراق سے مراد اصول عقائد کا اختلاف ہے جیسا کہ حضرت شیخ محقق علی الاطلاق مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "اشعۃ اللمعات" شریف میں اسی حدیث کی شرح میں فرمایا:

«جدامی شونہ امت من از آہا کہ ایمان آوردہ و رو بقبلہ دارند برہنہ فساد و سدہ

دہیب در اصول عقائد»

یعنی جو لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے، آپ کا کلمہ پڑھتے ہیں، اسلام ہی کا دعویٰ کرتے ہیں، قبلہ رو نماز پڑھتے ہیں۔ ان اہل قبلہ کے بسبب اختلاف عقائد بہتر فرقے ہو جائیں گے ان میں سے بہتر فرقے گمراہ ہوں گے وہ سب دوزخی ہیں صرف ایک فرقہ جنتی ہے۔ وہ وہی ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا متبع ہے۔ عقائد و اعمال میں انہیں کا پیرو ہے۔ وہی اہل سنت و جماعت ہے۔ اس کے علاوہ بہتر فرقے اپنی بد عقیدگی کی وجہ سے گمراہ ہیں، دوزخی ہیں۔ ان گمراہوں کے بہتر فرقے اس طرح ہوتے کہ صحابہ کرام و تابعین کرام کے عقائد کے خلاف انھوں نے نئے نئے عقیدے تراشے اور گروپ بندی کی، اپنی اپنی ٹولیاں بنا لیں، مثلاً ابن عطاء نے ایک نیا عقیدہ یہ گڑھا کہ کفر و اسلام کے درمیان ایک تیسرا مرتبہ ہے جو نہ کفر ہے نہ ایمان! اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں اس نے کہا:

من ارتكب الكبيرة فهو ليس بمومن ولا كافر

جس نے گناہ کبیرہ کیا، وہ نہ مومن ہے نہ کافر،

چونکہ یہ عقیدہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے خلاف تھا، اس لیے حضرت  
حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

”اعتزل عنّ“ (یہ ہم سے الگ ہو گیا) چنانچہ واصل بن عطاء اور اس کے متبعین کے  
مسلمانوں نے مقاطعہ کر دیا اور اپنی جماعت سے اس طرح نکال دیا جس طرح دودھ سے مکھی  
نکال کر پھینک دیتے ہیں، اسی لیے فرقہ معتزل کے نام سے مشہور ہوا۔ اسی طرح خارجی زہنی  
وغیرہ اپنی اپنی بدعتیگی کی بنا پر علیحدہ ہوتے گئے۔ گروپ بندی شروع ہو ہی گئی تھی اسی لیے  
تفریق و تفریق ہوتے ہوئے گمراہوں کے بہت فرقے ہو گئے۔

سوا اعظم مسلمانوں کی بڑی جماعت قدیم صراطِ مستقیم پر قائم رہی جس پر حضور اقدس  
صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قائم تھے۔ یہی جماعت اہل  
سنت و جماعت ہے۔ یہی ما انا علیہ واصحابی کا مصداق ہے۔

حدیث مذکور جس میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خبر دی ہے کہ میری امت تہتر  
فرقے ہو جائے گی وہ سب دوزخی ہیں صرف ایک گروہ جو میرا متبع ہے، وہی جنتی ہے۔ اسی  
حدیث کی دوسری روایت امام احمد و ابو داؤد کی یہ ہے۔

حدیث: ثنتان و سبعون فی

النار و واحد فی الجنة و

ھی الجماعة و انه سیخرج

فی امتی اقوام تتجاری بہم

تلك الاھواء کما تجاری

الکلب لصاحبہ لا ینقی منه

عرق و لا مفصل الا دخلہ۔

مشرکہ شریف،

ہوتے کے جسم میں سراپت کر جاتا ہے۔

بدعتیگی اور خواہشاتِ نفسانی ان  
مگراہوں کے ہرگ و پے میں ہر ہر جوڑ میں  
سرایت کر جاتے گی۔

حدیث شریف میں بدعتیگی و مگراہی کو کَلْبُ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ کَلْبُ (بفتح لام) وہ  
بیماری ہے جو آدمی کو کتے کے کاٹنے سے ہوتی ہے اور اس مریض کے تمام جسم میں سرایت  
کر جاتی ہے۔ حالت اس درجہ بدتر ہو جاتی ہے کہ اگر یہ مریض کسی دوسرے آدمی کو کاٹ لے  
تو اس کو بھی وہی بیماری ہو جاتی ہے۔ پیاس کا غلبہ ہوتا ہے لیکن پانی کی طرف دیکھ بھی نہیں سکتا  
اگر پانی پر نظر پڑتی ہے تو فریاد کرتا ہے اور بے قابو ہو جاتا ہے اور بسا اوقات تشنگی کے سبب  
مر جاتا ہے مگر پانی نہیں پی سکتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان گمراہ فرقوں کو دیوانہ کتے کے کاٹے ہوئے مریض سے  
اس لئے تشبیہ دی ہے کہ اس مریض پر کتے کا یہ زہر پلا اثر اس طرح غالب ہو جاتا ہے کہ جسم  
کی ہر رگ و پے اور جوڑ جوڑ میں سرایت کر جاتا ہے اور مریض اگر دوسرے شخص کو کاٹ لے  
تو اس کی بھی یہی حالت ہو جاتی ہے۔ اس کو بھی اپنا ہی جیسا مریض بنا دیتا ہے۔ اس طرح بدعتی  
اور بدعتیگی کا زہر پلا اثر ہے کہ بدعتیوں پر غالب ہوتا ہے۔ اس کے دل و دماغ کے گوشہ گوشہ  
میں سرایت کیے رہتا ہے اور دوسروں پر بھی اثر انداز ہوتا ہے کہ دوسروں کو بھی اپنے ہی جیسا  
بدعتیہ بنا دیتا ہے اور جس طرح سگ گزیدہ باوجود پیاس کے پانی نہیں پی سکتا اور پیاسا  
ہی مر جاتا ہے، اسی طرح یہ بدعتیہ لوگ راہِ حق اختیار نہیں کرتے، محروم ہی رہ جاتے ہیں۔  
اس تشبیہ میں بدعتیوں سے نفرت دلانا مقصود ہے، کیونکہ دیوانہ کتے اور اس کے کاٹے ہوئے  
مریض سے بر سلیم الحواس انسان کو نفرت ہوتی ہے۔ یہ بتانا مقصود ہے کہ اگر مسلمان سلیم الفطرۃ  
اور کامل الایمان ہے تو اس کو بدعتیوں سے نفرت کرنا لازمی و ضروری ہے۔ ایمان کی حفاظت  
اسی میں ہے۔ حدیث کی روشنی میں معلوم ہوا کہ بدعتیگی بڑا ہی مہلک روحانی مرض ہے

اور متعدی بھی ہے۔ اس مرض کا مرضی دوسروں کو بھی اپنا ہی جیسا بیمار کر دیتا ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ بدعتیہ لوگوں سے پرہیز و گریز لازم جانیں۔ ان کی صحبت، ان کی دوستی کو ایمانی ہلاکت تصور کریں، ہمیشہ ان سے دور رہیں اور ان کو اپنے سے دور رکھیں۔ اسی لیے حدیث شریف میں ارشاد فرمایا:

”فَاتَاكُمْ وَايَاهُمْ لَا يَضْلُونَكُمْ وَلَا يَفْتَنُونَكُمْ“

ان سے دور رہو۔ ان کو اپنے سے دور رکھو کہ کہیں وہ تم کو گمراہ نہ کر دیں اور تم کو

فتنے میں نہ ڈال دیں،

امام الانبیا، سید المرسلین ﷺ اللعالمین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کی حفاظت کا یہ بہترین نسخہ تجویز فرمایا ہے۔ مسلمان اس کو استعمال کریں۔ اپنے نبی کے فرمان پر عمل اور اپنے ایمان کی حفاظت کریں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں جنتی گروہ کا نام ”الجماعۃ“ رکھا ہے یہی جماعت چونکہ صحیح معنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی متبع ہے، حضور کے طریقہ پر قائم ہے، اسی لیے اس کا نام اہل سنت و جماعت ہے۔

اس عنوان کے تحت اب تک جتنی حدیثیں مذکور ہوئیں، ان میں سے بصرحت ثابت ہوا کہ صرف اہل سنت و جماعت ہے، اس کے علاوہ بھی مدعیان اسلام کے بہتر فرقے ہیں وہ سب گمراہ ہیں۔ ان بہتر فرقوں کے گمراہ ہونے پر سلف صالحین و ائمہ دین کا اتفاق ہے۔ البتہ ان کی تفصیل میں اختلاف ہے۔ تفسیر مدارک شریف میں اس طرح مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خط کھینچا اور فرمایا کہ یہ راہ راست ہے، خداتے تعالیٰ کا یہی راستہ ہے۔ اس کے بعد دونوں طرف چھ خط طیرٹھے کھینچے اور فرمایا یہ شیطان راستے ہیں۔ ہر راستے پر شیطان ہے اپنی طرف بلاتا ہے۔ اس سے پرہیز کرو اور یہ آیت تلاوت

إِنَّ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ -

(ترجمہ) بے شک یہ ہے میرا راستہ۔ اسی پر چلو اور راہیں نہ چلو کہ تمہیں اس کی راہ سے جدا کر دیں گے۔

اس کے بعد صاحب مدارک نے فرمایا کہ ان بارہ راستوں میں سے ہر راستے کے چھ چھ راستے ہو گئے۔ اس طرح گمراہوں کے بہتر فرقے ہو گئے۔  
مواقف شریف میں یہ تفصیل ہے۔

۱۰ اسلامی فرقے آٹھ ہیں معتزلہ، شیعہ، خوارج، مرجیہ، نجاریہ، جبرئیل، مشبہ ناجیہ۔ اس کے بعد پھر باہمی اختلاف سے شاخ درشاخ ہوتے رہے حتیٰ کہ ایک ایک کے کئی کئی فرقے ہو گئے۔ چنانچہ معتزلہ کے بیس<sup>۲</sup> فرقے ہوتے اور شیعہ کے بائیس<sup>۲۲</sup> اور خابجیوں کے بیس<sup>۲</sup> فرقے اور مرجیہ کے پانچ، نجاریہ کے تین اور جبرئیل و مشبہ نے تفریق نہیں کی اور فرقہ ناجیہ، اہل سنت و جماعت، ہے۔ اس طرح کل بہتر فرقے ہوتے کہ اہل سنت و جماعت کے علاوہ سب جہنمی ہیں،

حضرت شیخ محقق مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے واقف کے قول کو ترجیح دی ہے۔ اس لیے کہ احادیثِ کریمہ میں خط مستقیم کے دائیں بائیں خط کھینچنا تو مذکور ہے لیکن کسی عدد کی تعیین نہیں ہے۔

مدارک شریف میں جو حدیث نقل فرمائی ہے اس میں خط مستقیم کے دونوں طرف چھ چھ خط مذکور ہیں جس سے گمراہوں کے بارہ فرقے معلوم ہوتے ہیں۔ اس کے بعد ان بارہ کے بہتر کس طرح ہوئے حدیث اس سے ساکت ہے۔

صاحب مدارک کا یہ قول کہ ان بارہ میں سے ہر ایک کے چھ چھ فرقے ہو گئے۔ اس پر نہ حدیث کی دلالت ہے نہ تاریخ اس کی شاہد۔ البتہ گمراہوں کے بہتر فرقے ہونا صحیح حدیث سے

ثابت ہے۔ اس حدیث میں بارہ کا عدد انحصار کے لیے نہیں بلکہ تشبیہ و تفہیم کے لیے ہے۔  
مواقف کے قول کی تائید اجمالاً حدیث سے ہوتی ہے اور تفصیلاً تاریخ اس کی موثقیہ ہے ،  
واقعات شاہد ہیں اسی لیے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے صاحب مواقف کے قول کو ترجیح  
دی ہے۔

یہ بہتر گمراہ فرقے بھی سب مدعی اسلام ہیں، حقانیت کے دعویدار ہیں، مسلمانوں کے  
سے افعال کرتے ہیں، نجات کے ٹھیکیدار بنتے ہیں، حالانکہ حدیث میں ان سب کو فی النار  
فرمایا، دوزخی بتایا، نجات صرف ایک ہی گروہ کے لیے مخصوص فرمائی اور صاف الٰہی  
فرمادیا یعنی نجات پانے والا جنتی گروہ صرف ایک ہے، اس ناجی گروہ کا معیار ما اناعلیہ و  
اصحابی قرار دیا۔ یہ اسی کا طغرائے امتیاز ہے کہ وہی پیمانہ ہے، وہی ان اصول و ضوابط پر  
قائم ہے جو صحیح دین و صراطِ مستقیم ہے جس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ  
کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قائم رہے اور ان بہتر فرقوں نے جو اصول و عقائد چھوڑ  
کر اپنی اپنی راہیں الگ اختیار کر لیں، یہ صراطِ مستقیم سے بھٹک گئے لیکن جس طرح یہ گمراہ  
فرقے اسلام کے دعویدار ہیں اسی طرح بڑی بلند آہنگی سے ما اناعلیہ و اصحابی کے مصداق کا  
بھی دعوے کرتے ہیں اور اپنے دل و فریب سے عام مسلمانوں کو بھکاتے ہیں اور صراطِ مستقیم  
سے ہٹاتے ہیں اس لیے ما اناعلیہ و اصحابی کے مصداق پر تفصیلی روشنی ڈالنا ہے کہ حق و باطل  
میں روز روشن کی طرح امتیاز ہو جاتے۔ یہ تو مسلم ہے کہ دعویٰ بلا دلیل قبول نہ کریں، صرف  
دعوے سے کسی مدعا کا اثبات نہیں ہو سکتا، بلکہ ثبوت مدعا کے لیے دلیل ضروری ہے۔ گروہ  
ناجی صرف اہل سنت و جماعت ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ یہ دین پاک ہم تک نقول سے  
پہنچا ہے۔ اس کا مدار نقل پر ہے۔ محض عقل یہاں کافی نہیں اور اخبار متواترہ سے معلوم ہو چکا  
احادیث کریمہ کے مطالعے سے ثابت ہو چکا کہ سلف صالحین، صحابہ و تابعین و تبع تابعین رضوان  
اللہ علیہم اجمعین کے یہی اعتقادات تھے اور ان کا یہی مذہب تھا جو اہل سنت و جماعت کا

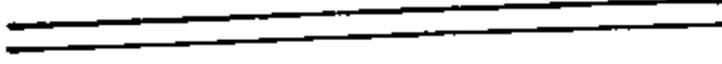
سے اور یہ باطل فرقے بہتر کے بہتر قرن اولیٰ کے بعد کی پیداوار ہے۔ صحابہ و تابعین و تبع تابعین و سلف صالحین میں سے کوئی بھی ان عقیدوں سے متفق نہ تھا بلکہ جب یہ فرقے ظہور میں آئے، سلف صالحین نے ان سے اپنی بیزاری کا اظہار فرمایا اور ان سے کلی مقاطعہ کیا اور ان کی تردید فرمائی صحاح ستہ اور ان کے علاوہ تمام احادیث کی کتابیں جن پر احکام اسلام کا مدار ہے، ان کے تمام مصنفین، امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی وغیرہ ان سب حضرات کے وہی عقیدے تھے جو مذہب اہل سنت و جماعت کے ہیں۔ آئمہ دین حضرت امام اعظم ابو حنیفہ، حضرت امام شافعی، حضرت امام مالک، حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم سب انھیں اسول و عقائد پر قائم رہے جو اہل سنت و جماعت کے عقاید ہیں۔

آئمہ اصول کلام اشاعرہ و ماتریدیہ رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عقلاً نقلاً انہیں اصول عقائد کی تائید و توثیق فرمائی جس پر سید عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام و تابعین و تبع تابعین قائم رہے اور جن پر سلف صالحین کا اجتماع ہوا۔ اسی لیے اس مذہب حق کا نام اہل سنت و جماعت ہوا اگرچہ یہ نام حادث ہے لیکن مذہب و اعتقاد ان کا قدیم ہے متقدمین صوفیاء کرام و محققین مشائخ عظام اور تمام زہاد و عباد و اولیاء کرام، و اصل بحق جن کی ولایت مسلم ہے جن کا زہد و تقویٰ متیقن ہے، سب اسی مذہب اہل سنت و جماعت پر قائم رہے جیسا کہ ان کی کتابوں سے ظاہر ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، آئمہ مجتہدین تمام محدثین، سارے متکلمین، صوفیاء کرام، اولیاء عظام، رضوان اللہ علیہم اجمعین اسی مذہب اہل سنت و جماعت پر قائم رہے۔ لہذا ما انا علیہ و اصحابی کا مصداق صرف گروہ اہل سنت و جماعت ہے۔

اس میں اگر کسی کو ذرہ برابر بھی شبہ ہو تو کتب احادیث، تفاسیر و کلام وفقہ و تصوف و

سیر و تاریخ معتبرہ جمع کر کے لکھنے آتے۔ بعون اللہ تعالیٰ ساری کتابیں یہی ثابت کریں گی  
 کہ مذہب اہل سنت و جماعت ہی ما انا علیہ و صحابی کا مصداق ہے۔ اس کے سوا تمام مذاہب  
 باطل ہیں۔



## محبت رسول کی اہمیت

اللہ کی سزا بقدم شان میں یہ ان ساتہیں انسان وہ انسان میں یہ  
 قرآن تو بتاتا ہے ایمان میں یہ ایمان یہ کتا ہے مری جان میں یہ  
 محبت و مودت، الفت و عقیدت ایک قلبی کیفیت ہے جو حیات انسانی کا محور اور  
 زندگی کا مرکز ہے۔ میلان قلب پر ہی انسانی حرکات و سکنات کا مدار ہے۔ دل کا جھکاؤ جس  
 طرف ہوتا ہے، سر سے پیر تک تمام اعضاء اسی طرف مائل ہوتے ہیں جس سے محبت ہوتی  
 ہے۔ اس کی ہر بات اچھی، اس کی ہر ادائیگی معلوم ہوتی ہے۔ اس کے ہر قول و فعل کو اپنانا  
 دلی خواہش اور قلبی تمنا ہوتی ہے۔ صرف یہی دیکھنا ہوتا ہے کہ محبوب کی مرضی کیا ہے، محبوب کیا  
 چاہتا ہے، مجرب جو کئے وہی کیا جائے، جس طرف لے جائے اسی طرف جائے۔ اس  
 کے اشارہ ابرو اور جنبش لب پر مرزا اور جیہا معراج تما ہے۔

کرشمہ محبت کا بب کہ آنا بند مقام ہے تو اگر قلب مومن میں کسی غیر کی محبت بھو اللہ و  
 رسول کی محبت سے زیادہ ہو بلکہ برابر بھی ہو تو مومن کو رضائے الہی و خوشنودی رسول حاصل  
 کرنا محال ہو جائے، حالانکہ یہ مقتضائے ایمان ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ ایمانی قلب میں سب  
 سے زیادہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہو۔ اسی لئے سرور انبیاء  
 محبوب کبرا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

حدیث: لا یومن احدکم  
 حتی اکون احب الیہ من و  
 والدہ و لدہ و الناس اجمعین۔  
 ترجمہ: تم میں کوئی مومن نہیں ہو گا  
 جب تک مجھے ماں، باپ، اولاد اور  
 تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ بنالے۔

بخاری شریف،

ماں باپ ہوں یا اولاد، رشتہ دار ہوں یا کنبہ دار، دوست و احباب ہوں یا پیر اور استاذ  
 حتیٰ کہ اپنی جان سے بھی زیادہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہونا تکمیل ایمان کے لیتے  
 ضروری ہے یعنی مومن کے لیتے ضروری ہے کہ وہ خوشنود می رسول اور ادائے حق رسول  
 پر ایک پر مقدم رکھے۔ ہر چھوٹے بڑے اپنے پر اسے سستی کہ اپنی جان و مال، عزت و آبرو اور  
 ہر شے کو حقوق مصطفیٰ علیہ التحیۃ و التناکی بجا آوری میں برضا و رغبت قربان کر دے، لیکن  
 ناموس رسول پر حرف نہ آنے دے۔ مومن کی شان یہی ہے۔ وہ اپنے جذبات ایمانی کا اظہار  
 یوں کرتا ہے

جو جان مانگو تو جان دیں گے جو مال مانگو تو مال دیں گے

مگر نہ ہو گا یہ ہم سے ہرگز، نبی کا جاہ و جلال دیں گے

عزیزوں اور دوستوں کی الفت ہو یا جان و مال کی محبت، اگر ان سب پر حب رسول  
 غالب ہے تو یہ واقعی ایمان ہے۔ قابل مبارک باد ہے اور یہی اللہ عزوجل کی سچی محبت ہے  
 محبت رسول ہی محبت خدا ہے۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحِبِّكُمْ اللّٰهُ فِيْ اَسْمٰى  
 تعلیم ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ اے  
 عمر! نبی کو چاہتے ہو یا میرے سوا کسی دوسرے کو بھی؟ عرض کیا، یا رسول اللہ! محبت مشترک  
 ہے۔ آپ کو پاتا ہوں اور اپنے تبار و مال، اہل و عیال کو بھی حضور نے اپنا دست کرم حضرت  
 عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینہ پر مارا اور تسرف فرمایا۔ پھر دریافت فرمایا کہ اب کیا حال ہے؟  
 اب بتاؤ میری محبت کس درجہ ہے؟ عرض کیا یا رسول اللہ! اہل و عیال، مال و منال سب کی  
 محبت دل سے نکل گئی مگر اپنی جان کی محبت ابھی باقی ہے۔ دوبارہ پھر حضور اقدس صلی اللہ  
 علیہ وسلم نے ویسا ہی تہہ نہ فرمایا اور دریافت کیا، اب کیا حال ہے؟ عرض کیا یا رسول اللہ  
 اب تو سرت آپ کی محبت ہے۔ اس وقت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”الان تم ایمانک یا عمر“

داسے عمر! اب تمہارا ایمان کامل ہوا

حدیث پاک کی روشنی میں جب رسول کا مقام معلوم ہوا کہ ہر چھوٹے بڑے اپنے پرانے  
حقیقتی کہ جان و مال، عزت و آبرو ہر شے سے زیادہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت تکمیل  
ایمان کے لیے ضروری ہے۔ یہ دعویٰ تو ہر مسلمان کرتا ہے مگر

دعوے بلا دلیل قبول نہ کریں!

دلیل اس دعوے کی یہی ہے کہ ادائے حقوق مصطفیٰ میں جب کوئی طاقت کوئی قوت  
بھی مقابل آئے تو اس کو پاش پاش کر دیا جائے۔ دھجیاں اڑادی جائیں۔ جان و مال، عزت و آبرو  
کسی کا پاس نہ ہو۔ اپنے آرام و راحت تکلیف و مصیبت کا خیال تک نہ ہو، حکم الہی و فرمان رسول  
کے مقابلہ میں کسی کی پروا، نہ کی جائے۔

شان رسالت میں گستاخی و بے ادبی کرنے والا خواہ اپنا باپ، استاد اور پیر ہی کیوں نہ  
ہو، بڑے سے بڑا عالم فاضل ہی کیوں نہ ہو، قلب مومن میں قطعاً اس کی گنجائش نہیں۔ باپ کا  
ادب، استاد کا احترام، پیر کی تعظیم و توقیر، عالم دین کا سز و وقار صرف رضائے الہی و خوشنودی رسول  
کے لیے کیا جاتا ہے۔ اور جب وہ گستاخ اللہ و رسول کا باغی ہو گیا تو پھر اس سے مومن کا کیا  
علاقہ، ایمان والے کا اس سے کیا تعلق؟

بفضلہ تعالیٰ اہل سنت و جماعت کا اسی پر عمل ہے، رفاؤ علیٰ حسام الحرمین، شریف کی یہی  
تعلیم ہے مسلمان اسی کو اپنا معمول بنائیں۔

## قدرت مصطفیٰ

ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور پر نور سید المرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ مانگ کیا مانگتا ہے، ہم تجھے عطا فرمائیں۔ حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، میں حضور سے سوال کرتا ہوں کہ جنت میں حضور کی رفاقت عطا ہو، فرمایا اور کچھ، عرض کی بس میری مراد تو یہی ہے، فرمایا میری اعانت کر، اپنے نفس پر کثرت سجد سے حدیث کے مبارک الفاظ یہ ہیں۔

حدیث عن ربیعہ بن کعب	ترجمہ ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ سے
قال كنت ابیت مع رسول الله	مروی ہے۔ انھوں نے کہا میں حضور صلی
صلى الله عليه وسلم فاتيته	اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رات گزارتا تھا۔
بوضوئه وحاجته فقال لي	حضور کے لیے وضو کا پانی لایا اور ضرورت
سل فقلت اسئلك مرافقتك	کی چیزیں حاضر کیں۔ مجھ سے حضور نے
في الجنة قال او غير ذلك	فرمایا، ربیعہ مانگ لے، میں نے کہا حضور
قلت هو ذلك قال فاعني	میں آپ سے جنت میں آپ کی رفاقت
على نفسك لكثرة السجود۔	مانگتا ہوں، حضور نے فرمایا اور کچھ، میں
(بخاری شریف)	نے کہا، حضور بس مجھے ہی چاہیے۔ فرمایا تو
	میری اعانت کر۔ اپنے نفس پر کثرت
	سجد سے۔

رات کا وقت ہے۔ ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں مصروف ہیں۔ ان کی خدمات مقبول ہوتی ہیں۔ رحمۃ اللعالمین کا دریائے کرم موجزن ہوتا ہے

ارشاد ہوتا ہے۔ ربیعہ مانگ لو، یہ نہیں فرمایا، ربیعہ یہ چیز مانگ لو، وہ چیز مانگ لو، علم مانگ لو، دولت مانگ لو، شجاعت و بہادری مانگ لو، حسن و جمال مانگ لو، دنیا کی دولت مانگ لو، آخرت کی نعمت مانگ لو، کسی چیز کی تخصیص نہیں فرمائی۔ بلکہ مطلق فرمایا، مانگ لو۔

اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ جو چاہو سو مانگ لو۔ دنیا کی خوبیاں مانگو، چاہے آخرت کی بھلائیاں مانگو، چاہے دونوں جہاں کی نعمتیں مانگو، جو مانگو گے پاؤ گے۔ یہ کون کہہ سکتا ہے؟ یہ وہی کہہ سکتا ہے کہ جو دنیا و آخرت دونوں جہاں کا مالک ہو، جس کے قبضہ قدرت میں دونوں جہاں کی نعمتیں ہوں، دنیا کی ہر خوبی، ہر کمال، ہر نعمت اس کے تحت تصرف ہو، آخرت کی ساری نعمتیں اس کے قبضہ میں ہوں جنت کے تمام حور و علمان، قصور و ایوان، انہار و اشجار سب پر اس کا قبضہ ہو، روش و روش ڈالی ڈالی زیر فرمان ہو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے حضور کا مالک و مختار ہونا ثابت ہے اور اس درجہ کمال پر کہ دنیا و آخرت کی تمام نعمتیں، ساری دولتیں حضور کے تصرف اور زیر فرمان ہیں۔۔۔۔۔ حضور ان سب نعمتوں کے مالک و مختار ہیں جس کو چاہیں عطا فرمائیں۔

اس ارشاد کو سن کر حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ نے بھی یہی سمجھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دونوں جہاں کے مالک و مختار ہیں، جو چاہیں، گے عطا فرمائیں گے۔ آخرت وہ بھی جنت مانگو جنت میں بھی سب سے برتر۔ ناپائیدار کا کیا سوال کروں۔ آخرت وہ بھی جنت مانگو جنت میں بھی سب سے برتر و بالا، افضل و اعلیٰ جنت الفردوس، اس میں بھی بلند ترین مقام بلندی و برتری کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت و معیت، یہ وہ جلیل القدر نعمت ہے جس پر تمام نعمتیں قربان، ساری دولتیں، تمام راحتیں شمار، وہ مخصوص نعمت طلب کی۔

حضرت ربیعہ کے اس سوال سے ان کا عقیدہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت ربیعہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ساری کائنات کا مالک جانتے ہیں۔ دنیا و آخرت کی تمام نعمتوں کا مختار مانتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ حضور پوری جنت کے مالک و مختار ہیں جنت کے سارے

مراتب اور درجات پر قبضہ و اختیار ہے جو درجہ مانگوں گا، پاؤں گا جو مرتبہ طلب کروں گا عطا فرمائیں گے بھی تو عرض کر دیا۔

### اسئالت مرافقتك في الجنة

حضور میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ جنت میں اپنی رفاقت عطا فرمادیں حضور نے یہ سوال سن کر یہ نہیں فرمایا کہ ربیعہ دنیا کی کوئی چیز مانگ لو، کچھ مال و دولت لے لو، آخرت کا معاملہ میرے قبضہ کا نہیں، میں جنت کا مالک نہیں، جنت میں بھی اتنا بلند مرتبہ، میری رفاقت مانگتے ہو۔ یہ کچھ نہیں فرمایا، بلکہ سوال سن کر کثرت نماز کی تعلیم دی۔ یہ بتایا کہ یہ مرتبہ ہم تم کو دیں گے یہ درجہ عطا فرمائیں گے، مگر تم اپنے نفس کو کثرت سجد سے اس کا اہل بناؤ حدیث کے اس مطلب پر کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم باذنہ تعالیٰ ہر چیز کے مالک و مختار ہیں جس کو چاہیں عطا فرمائیں۔ آئمہ دین و محدثین کرام کی شہادت سنیتے۔

اس حدیث کے تحت حضرت شیخ محقق مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

”از اطلاق سوال کہ فرمودہ مسئل بخواہ تخصیص نکرد بمطلوبے خاص معلوم میشود کہ کار ہمہ بدست ہمت و کرامت ادست صلی اللہ علیہ وسلم ہرچہ خواہد و ہر کرا خواہد باذن پروردگار خود و ہر“ (اشعۃ اللمعات)

(ترجمہ) سوال کے اطلاق سے کہ فرمایا مانگ، کسی چیز کی تخصیص نہیں کی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام کام حضور کے قبضہ و اختیار میں ہیں، جو چاہیں اور جس کو چاہیں، اپنے رب کے حکم سے عطا فرمائیں،

حضرت علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اسی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔

یوخذ من اطلاقہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلق  
علیہ وسلم الامر بالسوال سوال کا حکم دیا۔ اس سے ثابت ہے

ان اللہ تعالیٰ مکنتہ من اعطاء کل ما اراد من خزائن الحق (مرقاہ شرح مشکوٰۃ)

کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے تمام خزانوں پر قدرت دی ہے جو چاہیں عطا فرمائیں۔

امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

انہ صلی اللہ علیہ وسلم خلیفۃ اللہ الذی جعل خزائین کرمہ ومواید نعمہ طوع یدیدہ وقحت ارادتہ یعطی منها من یشاء ویمنع منها من یشاء۔

بے شک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اللہ عزوجل کے خلیفہ اعظم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم کے خزانے اور اپنی نعمتوں کے خزانے آپ کے قبضہ میں دے دیئے ہیں اور آپ کے ارادہ کے ماتحت کر دیتے ہیں جس کو چاہیں عطا فرمائیں۔

اور جس سے جو چاہیں روک دیں۔

(جوہر منظم)

حدیث مذکور سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مالک و مختار ہونا ثابت ہوا اور معلوم ہوا کہ خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اور آپ کے صحابہ کرام کا، ائمہ دین و محدثین کرام کا یہی عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باذنہ تعالیٰ ہر چیز کے مالک و مختار ہیں۔ اہل سنت و جماعت کا یہی عقیدہ ہے۔ لہذا ما انا علیہ واصحابی کے مصداق اہل سنت و جماعت ہوتے۔

وہابی دیوبندی ما انا علیہ واصحابی سے قطعاً خارج ہیں۔ کیونکہ وہ تقویۃ الایمان پر

ایمان لاکھتے ہیں جس میں لکھا ہے کہ ”محمد یا علی جس کا نام ہے، وہ کسی چیز کا مختار نہیں“

تقویۃ الایمان

مسلمان بنظر انصاف دیکھیں، تقویۃ الایمان میں حدیث سے کیسی کھلی جنگ ہے۔ مولیٰ

تعالیٰ قبول حق کا توفیق دے۔ آمین

## علم مصطفیٰ

اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ سید المرسلین، محبوب رب العالمین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ عزوجل نے سارے اولین و آخرین کا علم عطا فرمایا۔ عرش سے فرش تک، شرق سے غرب تک ساری کائنات حضور کے پیش نظر کر دی۔ ملکوت السموات والارض کا ذرہ ذرہ حضور پر روشن کر دیا۔ روز اول سے یوم آخر تک سب ماکان و مایکون کا علم عطا فرما دیا۔ عالم کا ایک ذرہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر مخفی نہ رہا۔ بلکہ یہ ساری کائنات حضور کے علم عظیم کا ایک ادنیٰ حصہ ہے۔ آپ کا علم وسیع اس سے ہزاروں درجے زیادہ ہے۔ یہ عقیدہ بہت سی آیات قرآنیہ و کثیرہ احادیث نبویہ و اقوال ائمہ سے ثابت ہے۔

نمونہ نمبر (۱)

حدیث: عن عبد الرحمن بن	ترجمہ حضرت عبد الرحمن بن عایش رضی
عایش قال قال رسول اللہ صلی	اللہ عنہ سے مروی ہے کہا، فرمایا رسول
اللہ علیہ وسلم رأیت ربی	اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میں نے
عزوجل فی احسن صورۃ قال	اپنے رب عزوجل کو سب سے بہتر تجلی
فیما یختص الملاء الاعلیٰ	میں دیکھا۔ اس نے فرمایا فرشتے کچھ چیز
قلت انت اعلم قال فوضع کفہ	میں بحث کرتے ہیں۔ میں نے عرض کیا
بین کتفی فوجدت بردہا بین	تو ہی جانے۔ پس میرے رب نے اپنا
تدبیر فعلت ما فی السموات	دست قدرت میرے شانوں کے درمیان

رکھا۔ پس میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے سینے  
میں پانی پیس جان لیا میں نے جو کچھ آسمانوں اور  
زمینوں میں ہے۔ اور حضور نے یہ آیت تلاوت  
فرمائی اور ایسے ہی دکھاتے ہیں ہم آسمانوں اور  
زمینوں کے ملک ابراہیم علیہ السلام کو تاکہ وہ  
کامل یقین والوں میں سے ہو۔ روایت کیا ہے  
اس حدیث کو دارمی و ترمذی نے۔

دست قدرت کاشانوں کے درمیان رکھنا قرب خاص و فیضان الہی و عطائے ربانی سے  
کنایہ ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے سینے میں اس کی ٹھنڈک محسوس کرنا اس عطا  
اور فیضان کے حصول و استقرار سے کنایہ ہے۔ یعنی رب حلیل نے اپنے محبوب پر ایسا فیضان  
فرمایا کہ حضور کو تمام علوم اگلے اور پچھلے، ظاہر اور باطن سب حاصل ہو گئے۔ اور حضور نے ان سب  
کا احاطہ کر لیا۔ عرش سے فرش تک اور شرق سے غرب تک کائنات کا ذرہ ذرہ حضور پر منکشف  
ہو گیا، اور ہر چیز حضور پر روشن ہو گئی چنانچہ حضرت شیخ محقق مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ  
اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔

”پس دانستم ہر چیز در آسمانہا و  
ہر چیز در زمین بود عبارتست از  
حصول تمامہ علوم جزوی و کلی  
و احاطہ آں و تلاخواندہ و  
کذا لک نری ابراہیم  
ملکوت السموات و الارض“  
و ہم چنین نمودیم ابراہیم خلیل اللہ

یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے  
فرمایا پس جان لیا میں نے جو کچھ آسمانوں  
میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے۔ اس  
کا مطلب یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ  
علیہ وسلم کو تمام علوم جزوی و کلی  
حاصل ہو گئے اور حضور نے ان سب کا  
احاطہ کر لیا اور حضور اقدس صلی اللہ

علیہ الصلوٰۃ والسلام را ملک  
 عظیم تمامہ آسمانها و زمین را  
 و لیکن من الموقنین  
 و تا آنکہ گردد ابراہیم از یقین  
 کنندگان بوجود ذات و صفات  
 و توحید و اشعۃ المعانی  
 علیہ وسلم نے اس حال کے مناسب بطور  
 استشہاد آیت تلاوت فرمائی اور ایسے ہی  
 مشاہدہ کراتے ہیں ابراہیم خلیل اللہ علیہ  
 السلام کو آسمانوں اور زمینوں کی سلطنت کا  
 تاکر وہ کمال یقین کرنے والوں سے ہوں  
 ہماری ذات و صفات و توحید کا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اس خصوص میں یہ آیت تلاوت فرمانا یہ تعلیم دینا  
 ہے کہ آن واد میں ساری کائنات کا علم عطا فرمانا محال ہے۔ نہ قدرت الہی پر دشوار ہے بلکہ  
 یہ ممکن ہے اور واقعی بارگاہ الہی میں انبیاء علیہم السلام کے بڑے مراتب میں۔ مالک حقیقی اپنے  
 ان مقبول بندوں کو ساری کائنات کا علم عطا فرماتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو تمام  
 ملکوت السموات والارض کا مشاہدہ کرایا۔ ساری کائنات ان کے پیش نظر کر دی۔ میں تو اس کا  
 محبوب ہوں، مجھ پر تو اس کا فضل عظیم ہے۔ میرا علم تو ساری مخلوقات سے وسیع تر ہے۔ اس  
 مضمون کو حضرت شیخ محقق یوں بیان فرماتے ہیں۔

« دابل تحقیق گفتہ اند کہ تفاوت است  
 در میان این دو رویت  
 زیرا کہ خلیل علیہ السلام ملک  
 آسمان و زمین را دید و حبیب  
 ہر چہ در آسمان و زمین بود از ذوات  
 و صفات و ظواہر و باطن ہمہ  
 را دید »

یعنی اہل تحقیق فرماتے ہیں کہ دونوں  
 رویت میں بڑا فرق ہے۔ کیونکہ حضرت  
 ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے  
 آسمانوں اور زمینوں کی سلطنت کو  
 دیکھا اور حضرت حبیب اللہ محمد رسول  
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ آسمانوں  
 اور زمینوں میں ہے ذوات و صفات،  
 ظاہر و باطن سب کچھ دیکھا۔

اشعۃ المعانی

خلاصہ یہ ہے کہ حدیث شریف کی روشنی میں حضرت شیخ محقق مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصریحات سے معلوم ہوا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ عزوجل نے تمام علوم جزوی و کلی عطا فرمایا۔ اور حضور نے ان سب علوم کا احاطہ کر دیا اور تمام آسمانوں اور زمینوں کی ہر ہر شے، ذات ہو یا صفت، ظاہر ہو یا باطن سب حضور کے پیش نظر ہے۔ باوجود اس کے دیوبندیوں کے پیشوا مولوی رشید احمد گنگوہی و مولوی خلیل احمد انبٹھوی اپنی کتاب ”براہین قاطعہ“ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو گھٹانے کے لیے لکھتے ہیں کہ

”شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو دیوار کے پچھے کا بھی علم نہیں“

(براہین قاطعہ ص ۵۵)

حالانکہ شیخ محقق علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب ”مدارج النبوة شریف“ میں یہ تحریر

فرمایا ہے۔

”ایں جا اشکالے می آند کہ در بعض روایات آمدہ است کہ گفت آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ من بندہ ام نمی دانم آنچہ در پس این دیوار است جو ابش آں است کہ ایں سخن اصلے ندارد و روایت بدال صحیح نہ شدہ“ اور روایت صحیح نہیں ہے۔

حضرت شیخ محقق فرماتے ہیں کہ اس کجگہ یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بندہ ہوں، اس دیوار کے پچھے نہیں جانتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات بالکل بے اصل ہے

مسلمانو باغور کرو، حضرت شیخ محقق علیہ الرحمۃ نے جس قول کو رد کرنے کے لیے نقل کیا تھا، اسی مردود قول کو دیوبندیوں کے پیشوا مولوی رشید احمد و مولوی خلیل احمد نے روایت بنا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم گھٹانے کے لیے دلیل بنا لیا اور حضرت شیخ

محقق پر روایت کا اقترا کر دیا۔ کیسا یہی دین ہے، یہی مذہب ہے، ایمان اسی کا نام ہے  
نمونہ نمبر (۲)

حدیث: عن طارق بن شهاب  
قال سمعت عمر رضی اللہ  
تعالیٰ عنہ يقول قام فینا  
النبی صلی اللہ علیہ وسلم مقاماً  
فاخبرنا عن بدأ الخلق  
حتى دخل اهل الجنة  
منازلهم محفظ ذلك من  
حفظ ونسیہ من نسیہ -  
(بخاری شریف جداول ۲۵۳)

ترجمہ: طارق بن شہاب سے مروی ہے،  
انہوں نے کہا سنا میں نے عمر رضی  
اللہ عنہ سے۔ فرماتے تھے کہ کھڑے ہوئے  
ہمارے درمیان نبی صلی اللہ علیہ وسلم  
ایک بار متبر پر۔ پس خبر دی ہم کو ابتداء  
آفرینش سے آخر روز قیامت تک کی  
یہاں تک کہ جنتی جنت میں اور دوزخی  
دوزخ میں داخل ہوں۔ یاد رکھا اس کو  
جس نے یاد رکھا اور بھول گیا اس

کو جو بھولا۔

یعنی حضور اکرم، تو مجسم سید عالم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک  
روز ایسا عظیم الشان خطبہ ارشاد فرمایا جس میں سارے مخلوق کے عام حالات بیان فرما  
دیتے۔ مخلوقات کی ابتدا سے انتہا تک جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہوگا، سب بیان فرما دیا۔ جہاں  
معاش اور معاویہ یعنی کائنات کی ابتدا کے احوال اور ساری مخلوقات کے زندگی کے حالات  
اور مرنے اور مرنے کے بعد اٹھنے کے احوال جنتوں کے جنت میں داخل ہونے اور دوزخوں  
کے دوزخ میں جانے تک کے تمام واقعات بیان فرما دیتے اور یہ سب کچھ ایک ہی خطبہ  
میں ایک ہی دن میں بیان فرما دیا جیسا کہ عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں ہے

و ذیہ دلالة علی انه  
اخبر فی المجلس الواحد  
یعنی یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی  
ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک

بجميع احوال المخلوقات      مجلس میں ساری مخلوقات کے کل حالات  
من ابتدائها الى      ابتدا سے انتہا تک۔ سب بیان فرما  
انتهاؤها وفي ايراد      دیتے اور ایک مجلس میں ان سب  
ذالك كله في مجلس      حالات کا بیان کرنا ہی امر عظیم ہے۔ یہ  
واحد امر عظیم من      حضور کے معجزات میں سے ایک عظیم  
خوارق العادة و كيف      الشان معجزہ ہے۔ اور کیوں کر نہ ہو  
وقد اعطى جوامع      حضور صلی اللہ علیہ وسلم باوجود صاحب  
الکلم مع ذالک۔ -      اعجاز ہونے کے جوامع الکلم ہیں۔

اللہ اکبر! اٹھارہ ہزار عالم کے تمام حالات ابتدائے آفرینش سے ختم دنیا تک  
ہی نہیں بلکہ قبر و نشر و حساب و کتاب حتیٰ کہ جنتیوں کے جنت میں داخل ہونے اور دوزخیوں  
کے دوزخ میں جانے تک کے کل حالات سارے واقعات ایک خطبہ میں ایک مجلس میں  
ایک ہی دن میں بیان فرمایا یقیناً بڑا عظیم الشان معجزہ ہے۔ اسی لیے امام بدر الدین عینی،  
رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف کی شرح "معدۃ القاری" میں فرمایا:

”امر عظیم من خوارق العادة“

(معجزات میں یہ عظیم الشان معجزہ ہے)

حدیث مذکور سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی وسعت معلوم ہوتی کہ  
ابتدائے آفرینش سے انتہا تک ساری مخلوقات کے تمام حالات اور کل واقعات کا  
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہے جنتیوں کے جنت میں داخل ہونے اور دوزخیوں کے دوزخ  
میں جانے تک کے ہر چیز پر کا علم ہے اور یہ علم تفصیلی ہے چنانچہ ملا علی قاری رحمۃ  
اللہ علیہ مرقات شرح مشکوٰۃ شریف میں فرماتے ہیں:-

مجملاً ومفصلاً۔ یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اجمال و تفصیل دونوں طوں

پر بیان فرمادیا جس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منقولات کی ابتدا سے  
 اتنا تک ساری کائنات تمام موجودات کے کل حالات تمام واقعات کا علم تفصیلی ہے  
 کیونکہ اگر نہ وہ علم اجمالی ہو تو اس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا خصوصیت ہے  
 علم اجمالی تو سب مومنین کو حاصل ہے اس لیے کہ اللہ خالق کی سنی کی تصدیق کے لیے  
 ہر شے کا علم اجمالی ضروری ہے۔ لہذا ہر مومن کے لیے کل شے کا علم اجمالی ضروری ہے  
 نیز قیامت حشر و نشر وغیرہ سب پر ایمان ہے۔ لہذا قیامت وغیرہ کا علم اجمالی بھی ہر مومن کے  
 لیے ضروری ہوا پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت کہاں رہی نیز اجمالی بیان معجزہ  
 کیسے ہوگا۔ اجمالی بیان تو دو نقطوں میں ہو سکتا ہے۔ لہذا لازمی طور پر علم تفصیلی ہی مراد ہوا۔  
 اسی لیے ”مرقات“ میں مجملہ و مفصلاً فرمایا یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام حالات و واقعات  
 اجمالی و تفصیلی دونوں طور پر بیان فرمائے۔

خلاصہ یہ کہ حدیث مذکور کی روشنی میں ثابت ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور  
 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عقیدہ یہ ہے کہ حضور کو ساری کائنات و تمام موجودات کے کل  
 حالات کا تفصیلی علم ہے۔ اس لیے اہل سنت و جماعت کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ نبی صلی  
 اللہ علیہ وسلم کو ساری کائنات کے کل حالات کا تفصیلی علم ہے۔ مگر وہابیوں کے نزدیک تو  
 حضور رسول اللہ علیہ وسلم کو دیوار کے پیچھے کا علم نہیں، اپنے خاتمہ کی خبر نہیں۔ اس لیے وہابیوں  
 دیوبندیوں کے پیشوا مولوی اسماعیل دہلوی نے ”تقویۃ الایمان“ میں لکھا

مذہب کچھ کہ اللہ اپنے بندے سے معاملہ کرے گا خواہ دنیا میں، خواہ قبر میں خواہ  
 آخرت میں، سو اس کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں، نہ نبی کو، نہ ولی کو، نہ اپنا  
 حال نہ دوسرے کا۔ (تقویۃ الایمان ص ۳۲ مطبع صدیقی دہلی)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا و آخرت، قبر و حشر و نشر کا کوئی حال بھی معلوم نہیں  
 دوسرے کا تو کیا اپنا ہی حال معلوم نہیں۔

مسلمانوں کو باذرا غور کرو اور انصاف سے کام لو۔ حدیث میں لو تسارنی کائنات کے کل حالات کا تفسیر علی علم حضور کے لیے ثابت اور تقویۃ الایمان میں اس کا سلب کلی سے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی شخص کا بھی حال معلوم نہیں۔ نہ دنیا کا نہ آخرت کا۔ نہ قبر کا۔ نہ حشر کا۔ نہ کسی دوسرے کا تو کیا معلوم ہوتا خود اپنا حال بھی معلوم نہیں۔ یہ اسماعیلی حکم حدیث سے بگڑ گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے لڑائی ہے:

نمونہ نمبر (۳)

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے عالم برزخ کا علم بھی عطا فرمایا ہے حضور برزخ کے احوال پر مطلع ہیں۔ قبر کے حالات سے آگاہ ہیں حضور پر رزق شن ہے کہ قبر میں کس مرد سے پر عذاب ہو رہا ہے اور کس کو راحت و آرام ہے۔ قبر کے اندر سے مردوں کی آواز سنتے ہیں اور ان کے حالات کو جانتے ہیں۔

حدیث: عن ابن عباس قال	ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ
مراتبی صلی اللہ علیہ وسلم	عزت فرمایا کہ میں اللہ علیہ وسلم مدینہ
بحاٹ من حیطان المدینة	طیبہ یا مکہ مکرمہ کے کسی باغ میں گزرتے
او مکة فسمع صوت انسانين	حضور نے دو مردوں کی آواز سنی جو اپنی
يعذبان في قبورهما فقال	قبروں میں عذاب دیتے جا رہے تھے۔
النبي صلی اللہ علیہ وسلم	حضور نے فرمایا یہ عذاب دینے جا رہے
يعذبان وما يعذبان في كبير	ہیں اور کسی بڑی چیز میں عذاب نہیں دیتے
ثم قال بلى كان احدهما	جا رہے تھے فرمایا، ہاں ایک ان میں سے
لا يستنزه من بوله وكان	پنج پیاب سے ۲ میں بچتا تھا اور
الأخر يمشي بالخميمة	دو۔ اپنی خیمہ تھا۔ پھر حضور نے ایک
ثم دعا بجریده فکسرها	سبز ٹہنی منگائی اور اس کے دو ٹکڑے

کسرتین فوضع علی قبر منہما  
 کسرتہ فقیل لہ یا رسول اللہ  
 لم فعلت هذا قال لعلہ ان  
 ینخف عنہما ما لم ینبیا۔  
 کہتے اور ہر ایک کی قبر پر ایک کمرہ رکھو  
 عرض کیا گیا یا رسول اللہ آپ نے یہ کیوں  
 کیا؟ فرمایا اس امید پر کہ ان دونوں کے  
 عذاب میں تخفیف ہو، جب تک کہ یہ  
 ٹہنیاں خشک نہ ہوں۔

بخاری شریف

اس حدیث سے چند امور معلوم ہوتے۔

نمبر ۱: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کے اندر سے مردوں کی آواز  
 سنی جن کو قبر میں عذاب ہو رہا تھا۔

نمبر ۲: یہ عذاب ایک شخص کو پیشاب سے نہ بچنے کی وجہ سے تھا، دوسرے  
 کو چغلی کرنے کے سبب سے ہو رہا تھا۔

نمبر ۳: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہے کہ کس مردے کو قبر  
 کے اندر عذاب ہو رہا ہے اور پھر یہ بھی معلوم ہے کہ کس گناہ کے  
 سبب سے یہ ہو رہا ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ اس عذاب میں  
 تخفیف کس عمل خیر سے ہو سکتی ہے؟

نمبر ۴: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہری شاخ قبر پر رکھی۔

نمبر ۵: ہری شاخ قبر پر رکھنے سے تخفیف عذاب کی امید ہے۔

یہ حدیث حضور کے علم پر وال ہے کہ عالم برزخ کا علم بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب  
 صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا ہے۔ قبروں کے اندر کے حالات، مردوں کے احوال حضور جانتے  
 ہیں، مردوں کے عذاب و ثواب سے حضور واقف ہیں۔ یہ بھی معلوم ہے کہ اس مردے کو  
 یہ عذاب کس گناہ کے بدلے ہو رہا ہے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ اس عذاب کی تخفیف کا ذریعہ  
 کیا ہے، اس عذاب میں کمی کس عمل خیر سے ہو سکتی ہے؟

حکیم تو وہی ہے جو مرض کی صحیح تشخیص کرے۔ اس کے اسباب و علل سے واقف ہو۔  
مرض کا علاج بھی جانتا ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سارے روحانی طبیبوں کے سردار تمام روحانی  
معالجوں کے سرتاج ہیں۔ اس لیے رب جلیل نے اپنے حبیب جناب محمد رسول اللہ صلی  
اللہ علیہ وسلم کو تمام امراض روحانی کا علم دیا۔ ان کے اسباب و علل سے واقف کیا۔ ان کے  
علاج پر مطلع فرمایا۔

دنوی زندگی کے تمام امراض، ان کے اسباب و علل اور علاج تعلیم فرمایا۔ یہ حدیث  
ان پر دلیل ہے اور دیوبندیوں کے اس عقیدہ کا رد کرتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو دیوار کے  
پیچھے کا بھی علم نہیں جیسا کہ دیوبندیوں کی کتاب بدر اہین قاطعہ میں ہے۔

رحمۃ اللعالمین کی شان رحمت کی یہ ایک جھلک ہے کہ ان دونوں گناہ گاروں کو اپنی آغوش  
کرم میں لیا۔ ان کے عذاب میں تخفیف کرائی اور اس علاج کو عام کرنے اور قیامت تک باقی  
رکھنے اور ساری امت پر اپنی رحمت عام کرنے کے لیے اس عمل خیر کی علت بھی بیان فرمادی  
کہ قبر پر سبز ٹہنی رکھنے سے تخفیف عذاب کی امید ہے۔ سبز ٹہنی میں سبزی ہی کو علت قرار دیا۔  
اور فرمایا مالہ یساجب تک یہ ٹہنیاں خشک نہ ہوں۔ لہذا ٹہنی کی خصوصیت نہ ہونی بلکہ تخفیف  
عذاب کی علت سبزی ہوتی۔ لہذا اس حدیث سے ثابت ہوا کہ پھول بھی قبر پر رکھنے سے تخفیف  
عذاب کی امید ہے اور یہ اصول اپنی جگہ ثابت ہے کہ جس عمل خیر سے گناہ معاف ہوتے ہیں  
عذاب میں تخفیف ہوتی ہے، اگر گناہ نہ ہوں تو اس عمل سے درجات بلند ہوتے ہیں۔ لہذا آج  
حدیث سے اولیائے کرام کے مزارات مقدسہ پر پھول رکھنا ثابت ہوا اور معلوم ہوا کہ مزارات  
پر پھول رکھنا صاحب مزار کے درجات بلند ہونے کا سبب ہے۔

تنبیہہ، اس زمانہ میں پھلی، نعیمت مسلمانوں میں عام ہو گئی ہے۔ یہ مرض اس درجہ ترقی کر گیا ہے گویا وہ بانی کھورت اختیار کر گیا ہے۔ عام طور پر مسلمان اس میں مبتلا ہیں، وہ لوگ کان کھول کر پھلی کی برائی سنیں اور اس کے عذاب سے ڈریں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عذاب قبر کا سبب پھل بتایا ہے، یہ بھی فرمایا وما یعذبان فی کبیر کسی بڑی چیز میں عذاب نہیں دینے جارہے ہیں یعنی پھلی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے آدمی نہ بچ سکے۔ اس بڑی آلت کو نہ پھوسکے پھلی سے تو بہت معمولی سی چیز لیکن اس کے اثرات بڑے ہی زہریلے اور تباہ کن ہیں پھل نور کو دنیا میں بے عزت کرتی ہے، بے اعتبار بناتی ہے، اس سے اپنے غیر ہو جاتے ہیں، دوست دشمن ہو جاتے ہیں پھلی عذاب قبر کا سبب ہے عذاب آئرت کا واجب ہے۔ اسی لئے شریعت مطہرہ نے اس کو حرام کیا ہے قرآن مجید کا ارشاد ہے: ایحسب احدکمان یا کل لحم اخید میتہ فکوهتوہ۔ یعنی کیا تم میں کوئی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے اگر ایسا نہیں تو پھلی کو برا جانو اور اس سے بچو..... معلوم ہوا اس طرح اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا حرام ہے پھلی بھی حرام ہے۔ مسلمانوں کو پھلی سے نفرت لازم ہے جو لوگ اس میں مبتلا ہیں ان کو جلد از جلد توبہ کرنا چاہیے سچی توبہ کر کے اس مہلک روحانی مرض سے سحت ماسئل کریں اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ تعلیم پھل کریں۔

علم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعت اور اک انسانی اور طاقت بشری سے خارج سے انسان کی کیا مجال کہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کا احاطہ کر سکے رب السموات والارض نے اپنے

محبوب بناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر برہنہ روشن کر دی، بھلی چھپی، غائب باطن ہر شے  
پیش نظر فرمادی۔ گذشتہ آئندہ اور موجودہ کل حالات اور تمام واقعات حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر  
روشن کر دیتے۔

حدیث: عن ابی ہریرۃ قال	ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے
وکلنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ	مروی ہے۔ انھوں نے کہا حضور صلی اللہ
وسلم بحفظ زکوٰۃ رمضان	علیہ وسلم نے مجھے صدقہ فطر کے غد کی
فاتانی ات فجعل یحثومن	حفاظت کے لیے مقرر کیا۔ رات کو ایک
الطعام فاخذتہ وقلت	شخص آیا اور غلہ چرانے لگا۔ میں نے اس کو
واللہ لا رفعتک الی رسول اللہ	پکڑا اور کہا، میں تجھ کو ضرور حضور کی نیت
صلی اللہ علیہ وسلم فقال	میں لے باؤں گا۔ اس نے کہا مجھے چھوڑ دو
دعنی فانی محتاج وعلی عیال	میں محتاج ہوں۔ کثیر العیال اور سخت
ولی حاجۃ شدیدۃ قال	حاجت مند ہوں۔ میں نے اس کو چھوڑ دیا
فخلیت عنہ فاصبحت فقال	صبح کو مجھ سے حضور نے فرمایا ابو ہریرہ
النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا	تمہارا رات کا چور کیا ہوا۔ میں نے عرض
ابا ہریرۃ ما فعل امیرک	کیا یا رسول اللہ! اس نے تمہاری بوا
البارحۃ قال قلت یا رسول	عدااری کی حکایت کی۔ مجھے خبر آیا

میں نے اس کو چھوڑ دیا حضور صلی اللہ  
 علیہ وسلم نے فرمایا، آگاہ گمگس نے جھوٹ  
 بولا اور وہ پھر آئے گا۔ پس مجھے حضور  
 کے فرمانے سے یقین ہو گیا کہ وہ ضرور  
 آئے گا۔ میں اس کی گھات میں رہا۔  
 وہ آیا اور غلچہ پرانے لگا۔ پھر میں نے  
 اس کو پکڑ لیا اور کہا، میں تجھ کو خود حضور کی  
 خدمت میں حاضر کروں گا۔ اس نے کہا  
 مجھے چھوڑ دو۔ میں محتاج ہوں، کثیر العیال  
 ہوں آئندہ نہیں آؤں گا۔ پھر مجھے  
 رحم آگیا۔ میں نے چھوڑ دیا۔ پھر مجھ کو  
 حضور نے مجھ سے فرمایا، اتے ابوہریرہ  
 تمہارا رات کا پتہ لیا ہوا میں نے عرض کیا  
 یا رسول اللہ اس نے سخت محتاجی اور  
 عیال داری کی شکایت کی۔ مجھے رحم آگیا۔  
 میں نے اس کو تہیہ کیا، یا جنو بیا اللہ  
 علیہ وسلم نے فرمایا، خبردار اس نے  
 جھوٹ بولا، وہ پھر آئے گا۔ پھر میری  
 رات میں اس کی گھات میں بیٹھا وہ

اللہ شکی حاجة شديدة  
 و عیالاً فرحمته فخلیت  
 سبیلہ قال اما انه قد  
 کذبتک سيعود فعرفت انه  
 سيعود لقول رسول اللہ صلی  
 اللہ علیہ وسلم انه سيعود  
 فرصدته فجعل یحثومن  
 الطعام فاخذته فقلت  
 لا ارفعک الی رسول اللہ صلی  
 اللہ علیہ وسلم قال دعنی  
 فانی محتاج و علی عیال لا  
 اعود فرحمته فخلیت سبیلہ  
 فاصبحت فقال لی رسول  
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا  
 اباہریرة ما فعل اسیرک  
 قلت یا رسول اللہ شکی حاجة  
 شديدة و عیالاً فرحمته  
 فخلیت سبیلہ قال اما انه  
 قد کذبتک و سيعود فرصدته

آیا اور غلہ چرانے لگا۔ پھر میں نے اس کو  
 پکڑا اور کہا، تجھ کو ضرور حضور کے پاس  
 لے جاؤں گا۔ یہ میری مرتبہ ہے تو کہتا  
 ہے کہ نہیں آؤں گا اور پھر آتا ہے  
 اس نے کہا مجھے چھوڑ دو، میں تم کو ایسے  
 کلمات سکھا دوں گا جن سے اللہ تم کو  
 نفع دے گا۔ میں نے کہا، وہ کلمات  
 کیا ہیں۔ اس نے کہا، جب تم سونے کے  
 لیے بستر پر آؤ تو آیت الکرسی کا الہ الا  
 هو الہی القیوم سے آیت کے  
 ختم تک پڑھ لیا کرو۔ بے شک اللہ کی  
 طرف سے ایک نگہبان تمہاری حفاظت  
 کے لیے مقرر کر دیا جائے گا اور صبح  
 تک شیطان تمہارے قریب نہیں آئے گا  
 پھر میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ صبح کو پھر  
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا  
 اے ابو ہریرہ تمہارا رات کا چور کیا ہوا  
 میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ اس  
 نے مجھ ایسے کلمات سکھائے، جن  
 سے اللہ مجھے نفع دے گا۔ میں نے  
 اس کو چھوڑ دیا حضور نے فرمایا، وہ

الثالثه فجعل يمشو من  
 الطعام فاخذته فقلت لا  
 رفعتك الى رسول الله صلى  
 الله عليه وسلم وهذا آخر  
 ثلاث ضرات انك تزعم لا  
 تعود ثم تعود قال دعني  
 اعلمك كلمات ينفعك الله  
 بها قلت ما هو قال اذا اويت  
 الى فراشك فاقرأ آية  
 الكرسي الله لا اله الا هو الہی  
 القیوم حتى تختم الآية  
 فانك لن يزال عليك من  
 الله حافظ ولا يقربك شیطان  
 حتى تصبح فخلیت سبیلہ  
 فاصبحت فقال لی رسول الله  
 صلی الله علیہ وسلم ما فعل  
 اسیرك البارحة فقلت  
 یا رسول الله زعم انه یعلمنی  
 كلمات ینفعنی الله بها  
 فخلیت سبیلہ قال ما هی  
 قال قال لی اذا اويت الی

فراشك فاقرا ء اية الكرمي  
 من اولها حتى تختم الآية  
 الله لا اله الا هو الحي القيوم  
 وقال لي لن يزال عليك من  
 الله حافظ ولا يقربك شيطان  
 حتى تصبح وكنوا حرص شيئا  
 على الخير فقال النبي صلى  
 الله عليه وسلم اما انه صدقك  
 وهو كذوب تعلم من تتخاطب من  
 من ثلث ليلال يا ابا هريرة قال لا  
 قال ذاك شيطان (بخاری شریف)

کلمات کیا ہیں۔ عرض کیا، اس نے مجھ سے یہ  
 کہا کہ جب تم سونے کے لیے بستر پر آؤ تو آیت  
 انگری پڑھ لیا کرو۔ اللہ کی طرف سے  
 تم پر ایک نگہبان مقرر کر دیا جائے گا، اور  
 جس تک شیطان تمہارے قریب نہیں آئے  
 گا۔ صحابہ کرام تو خیر پر حرص ہی تھے  
 نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آگاہ  
 اس نے سچ کہا۔ حالانکہ وہ بہت جھوٹا ہے  
 اسے ابو ہریرہ تم جانتے ہو کہ تین روز سے  
 کس سے بات کرتے ہو، عرض کیا نہیں  
 حضور نے فرمایا، وہ شیطان ہے۔

ابو ہریرہ نے جب چور پکڑا اور چھوڑا اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں موجود نہ  
 تھے لیکن روزانہ اس گزرے ہوتے واقعہ کی خبر دیتے تھے اور آئندہ کے لیے بھی فرما  
 دیتے تھے۔ وہ چور پھر آتے گا۔ چنانچہ حضور کے فرمانے کے مطابق وہ چور پھر آتا رہا۔ اس سے  
 معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گزرے ہوتے اور آئندہ کے حالات معلوم ہیں جیسی تو  
 حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ مجھے حضور کے فرمانے سے یقین ہو گیا کہ وہ ضرور آئے گا۔ اسی  
 لیے اہل سنت و جماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ کے محبوب جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم کھلی چھپی، ظاہر و باطن، اگلی پھلی تمام اشیاء کے عالم ہیں۔

یہ واقعات کی تاریخی میں تھا۔ کتنے مکانات، کتنے حجابات، کتنی دیواریں حائل تھیں مگر  
 سچ کو حضور نے بتا دیا اور دریافت فرمایا اسے ابو ہریرہ! تمہارا رات کا چور کیا ہوا۔ حضرت  
 ابو ہریرہ نے یہ نہیں کہا کہ حضور آپ کو کیا معلوم، آپ کو تو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں کہتے

کیسے۔ یہ تو دیوبندیوں کا عقیدہ ہے۔ دیوبندیوں کے پیشوا مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولوی خلیل احمد انبلیٹھوی نے اپنی کتاب ”براہین قاطعہ“ میں لکھا ہے کہ آپ کو تو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں۔

مسلمان دیوبندی عقیدوں سے باخبر ہو کر دیوبندیوں کی حقیقت پہچانیں اور ان سے اپنے ایمان کو بچائیں اور مذہب اہل سنت پر مضبوطی سے قائم رہیں۔

فائدہ: اس حدیث سے آیت الکرسی شریف کی فضیلت معلوم ہوئی کہ جو شخص سوتے وقت آیت الکرسی شریف پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کے لیے ایک فرشتہ مقرر کرے گا جو رات بھر اس کی حفاظت کرے گا، اور صبح تک شیطان اس کے قریب نہ آئے گا۔

اگرچہ یہ فضیلت شیطان نے بیان کی تھی۔ اس کے قول کا اعتبار ہی کیا تھا۔ لیکن جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدقہ وھو کذب وہ اگرچہ بڑا جھوٹا تھا لیکن یہ بات تم سے سچ کہی۔ لہذا آیت الکرسی کی فضیلت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے ثابت ہوئی۔ مسلمان اس پر عمل کریں۔ روزانہ بلا تاخیر سوتے وقت آیت الکرسی شریف ضرور پڑھ لیا کریں۔ اس سے ان کے جان و مال کی حفاظت ہوگی اور شیطان قریب نہ آئے گا۔

# ماہ رمضان اور لیلة القدر

زمانہ خوش دلی دریاب دُرباب  
کہ ہر دم در صدف گوہر نباشد

گھٹائیں اٹھتی ہیں، بارشیں برتی ہیں، سیلاب آتے ہیں، مگر پانی کا پانی ہی رہتا ہے۔ وہ ایک خاص وقت ہوتا ہے جس میں بارانِ رحمت کا ایک قطرہ دہنِ صدف میں پہنچ کر گوہرِ آبدار بن جاتا ہے۔ یوں تو عبادتِ الہی، یادِ خداوندی بڑی نعمت ہے، ہر وقت، ہر زمانہ مقبول ہے لیکن مقبولیت کے مراتب ہیں بعض خصوصی اوقات ایسے ہیں جو بارش کے قطرہ کی طرح اس کو گوہرِ آبدار اور ڈر شہوار بنا دیتے ہیں اور عبادت کو مقبولیت کی اس منزل پر پہنچا دیتے ہیں کہ دوسرے اوقات میں وہاں تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ وہ خاص وقت، سال کا مبارک مہینہ رمضان شریف ہے جس کی ایک رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے جس میں آسمانوں اور جنتوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں شیاطین زنجیروں میں جکڑ دیئے جاتے ہیں۔

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ  
عنه سے مروی ہے کہ، فرمایا رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے، لوگو تمہارے پاس  
رمضان شریف آگیا۔ یہ بڑا مبارک مہینہ ہے اللہ  
تعالیٰ نے اس مہینہ کا روزہ تم پر فرض

حدیث: عن ابی ہریرۃ قال  
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم اتاکم رمضان شہر  
مبارک فرض اللہ علیکم صیامہ  
یفتح فیہ ابواب السماء وتغلق

فیہ ابواب الجحیم وتغل  
 فیہ مودة الشیاطین فیہ  
 لیلۃ خیر من الف  
 شہر من حرم خیرھا  
 فقد حرم خیر کثیر۔  
 (احمد و نسائی، مشکوٰۃ)

کیا ہے۔ اس میں آسمان کے دروازے  
 کھول دیئے جاتے ہیں اور سرکش شیاطین  
 قید کر دیئے جاتے ہیں۔ اس ماہ مبارک  
 میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں  
 سے بہتر ہے جو شخص اس کے ثواب  
 سے محروم رہا، بڑی خیر سے محروم کر

دیا گیا۔

اس حدیث سے ماہِ رمضان المبارک کی فضیلت اور روزہ کی فرضیت ثابت ہوئی۔  
 ہجرت کے دوسرے سال ماہِ شعبان ۲ میں روزہ فرض ہوا۔ ہر مسلمان  
 عاقل بالغ مرد و عورت پر ماہِ رمضان شریف کا روزہ فرض ہوا، مریض و مسافر کے لئے دوسرے  
 ایام میں پورا کرنے کی اجازت ہے۔ بغیر عذر شرعی جو شخص روزہ ترک کرے گا سخت گناہ گار  
 ہے، فاسق ہے اور ایسا محروم قسمت ہے کہ اگر ایک روزہ کے بدلے زندگی بھر روزے  
 رکھے تب بھی رمضان شریف کے ایک روزے کا ثواب نہیں پاسکتا۔

آسمان کے دروازے کھول دینا کناہیہ ہے۔ اعمالِ صالحہ کی مقبولیت سے اور رحمت  
 الہی کے مسلسل نزول سے چنانچہ دوسری حدیث میں نحت ابواب الرحمة آیا ہے۔ رحمت الہی کے  
 دروازے کھول دیئے گئے ہیں۔ یعنی اس ماہ مبارک میں رحمت الہی بارش بن کر برستی ہے اعمال  
 صالحہ بڑی قدر منزلت کے ساتھ بارگاہِ خداوندی میں مقبول ہوتی ہے، ہر عمل کا ثواب ستر گنا بڑھا  
 دیا جاتا ہے۔ لہذا مسلمان ماہِ رمضان المبارک کو غنیمت سمجھیں، ہر رات کی قدر کریں بلکہ اس کی  
 ہر ساعت، ہر گھڑی کو نعمت الہی تصور کریں اور ہر وقت کا رخیر میں کمر بستہ رہیں۔ اور بالخصوص  
 اس عزت والی رات کی قدر کریں جو ایک ہزار مہینوں کے دنوں اور راتوں سے افضل ہے۔  
 اسی کو حدیث میں فرمایا ہے۔

”فیہ لیلة خیر من الف شهر“ اس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے، وہی رات شب قدر ہے چونکہ یہ اسرار میں سے ہے اسی لیے اس کو پلو شیدہ رہا لیا ہے۔ اس میں بہت سے مختلف اقوال ہیں۔ اکثر علماء کا قول ہے کہ شب قدر ماہ رمضان کی ستائیسویں شب ہے مگر اکثر حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ شب قدر ماہ رمضان شریف کے اخیر عشرہ کی طاق راتوں میں ہے۔

حدیث: من عاشئة فالت	ترجمہ: من عاشئتی اللہ تعالیٰ عنہما
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ	سے مروی ہے کہا، فرمایا رسول اللہ
وسلم تحرو الیلة القدر فی الوتر	صلی اللہ علیہ وسلم نے، لیلة القدر رمضان
من العشر الاواخر من رمضان۔	کے اخیر عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش
رواہ البخاری۔ (مشکوٰۃ)	کرو۔

اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اخیر عشرہ میں بہت زیادہ مصروف عبادت ہوتے ، اعتکاف کرتے اور اپنے اہل کو عبادت پر براہیگنہ کرتے تھے۔

مسلمانوں کو اپنے نبی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں اس ماہ مبارک میں مصروف عبادت رہنا چاہیے خصوصیت کے ساتھ اخیر عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرنا چاہیے۔ ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹ رمضان المبارک شریف۔ انشاء اللہ تعالیٰ وہ عزت و عظمت والی رات پائیں گے جس کی ایک ہی رات کی عبادت ایک ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل و بہتر ہے۔

## دنیا مسافر خانہ ہے

یہ شہادت کہ الفت میں قدم رکھنا ہے  
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

انسان اشرف المخلوقات ہے۔ اس لیے اس کا مقصد بھی مرثیے سے اشرف الاعلیٰ  
برتر و بالا ہونا چاہیے۔ اسلام کا بڑا انسان ہے کہ انسان کا مقصد سمجھا دیا۔ اور بتا دیا کہ یہ انسان  
کا مقصد اصلی سرف ذات الہی اور خوشنودی ریائی ہے۔ انسانی زندگی اور زندگی کے تمام مراحل  
منازل اسی لیے ہیں کہ وہ اپنے مالک و مولیٰ تعالیٰ کی طلب میں کوشاں اور اس کی مرضی کا  
جو یاں رہے۔ انسان غریب ہو یا امیر، بادشاہ ہو یا فقیر، تخت نشین ہو یا فرش خاک پر بیٹھنے والا،  
اگر خداوند قدوس کی یاد میں ہے، کامیاب ہے۔ اگر اس کی یاد سے غافل ہے ناکام ہے۔  
اس غفلت کو دور کرنے کے لیے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے اور مخلوق  
کی رہنمائی کی خصوصاً اسید الانبیاء سرور عالم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عجیب  
عجیب حکیمانہ انداز اور نرالے نرالے عنوان سے ہدایت فرمائی۔ فرمادیا، دنیا میں مسافرانہ زندگی  
بسر کرو۔

ترجمہ حضرت خبذ اللہ بن عمر رضی اللہ  
تعالیٰ عنہ نے کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم نے میرے وہ لہکنے پکڑے  
اور ایسا دنیا میں مسافرانی بن رہو

حدیث: عن عبد اللہ بن عمر  
قال اخذ رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم بمنکبی فقال کن  
فی لدنیہ کأنک غریب !

او عابر سبیل - (بخاری شریف) بلکہ چلتے مسافر کی طرح -

تعلیم کا یہ طریقہ کہ کندھے پر کمر کر تعلیم دی۔ اس حدیث کے مضمون کی خصوصیت و اہمیت پر دلیل ہے۔ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اے مسلمان تیرے دوش ہمت پر بار امانت ہے۔ تجھے یاد رکھنا چاہیے تیرا ہی قول ہے

آسمان بار امانت تو انست کشید قرع قال بنام من دیوانہ زوند

تو اس بار امانت کا حامل ہے جس کو آسمان وزمین اور پہاڑ بھی نہ اٹھا سکے۔ تو نے اس کو اپنے دوش ہمت پر لیا، اس امانت کی کما حقہ حفاظت تیرے ذمہ ہے۔ اس کی پوری حفاظت اسی طرح ہو سکتی ہے۔ کن فی الدنیا کانت غریباً عابراً سبیل۔

یہ حدیث بواجع الکلم سے ہے یعنی لفظ مختصر، معنی کثیر کانت غریب، گویا تو سافر ہے۔ یہ مختصر لفظ تو تمام اقسام ہدایت کو شامل ہے، کیونکہ مسافر کی شتاسانی لوگوں سے بہت کم ہوتی ہے۔ تعلقات بہت کم ہوتے ہیں۔ توجو مفاسد اور خرابیاں عام لوگوں کے تعلقات اور اختلاط سے پیدا ہوتی ہیں، ان میں لازمی طور پر کمی ہوگی، مثلاً بغض و حسد، عداوت و کینہ، نفاق و شقاق، جھگڑا اور لڑائی وغیرہ، بد کرداریاں جو زیادہ لوگوں کے خلط سے لازم آتی ہیں، یہ ان سب سے باز رہے گا۔ لہذا اس ایک ہی لفظ میں ان تمام معاتب سے بچنے کی ہدایت ہوتی ایک ہی لفظ نے بتا دیا کہ اے مسلمان بغض و حسد، کینہ و عداوت، نفاق و شقاق، لڑائی جھگڑا تیرا کام نہیں تو مسافر ہے۔ تجھے اپنی منزل مقصود پر نظر رکھنی چاہئے۔ اور مسافر بحالت سفر جو کچھ اپنے مکان و دکان، مال و دولت، زراعت و تجارت، خویش و اقارب میں مشغول و متہمک نہیں رہتا سرت منزل مقصود اس کے پیش نظر رہتی ہے۔ لہذا اس ایک ہی لفظ میں دنیا کے تمام ملاحق و عوائق جو انسان کو یاد الہی سے روکنے والے ہیں، ان سب کو دل کی گہرائیوں سے نکلانے کی تعلیم دے دی اور یہ سبق پڑھا دیا کہ اے انسان تیرا مطمح نظر ذات باری تعالیٰ ہے تیرا مسود رہی مالک حقیقی ہے۔ یہ درس دیا کہ اے مسلمان! دنیا کی یہ رنگینی یہ شادابی یہ دلفریبی

تیری راہ میں رکاوٹ نہ بنے، تیرے راستے کو کھوٹا نہ کرے، تیرے مقصود کو فراموش نہ کرے۔  
 تو چاہے تخت و تاج کا مالک ہو، شہنشاہ اعظم ہو یا بے نوا فقیر، چاہے رستم دوران ہو یا  
 عاجز و ناتواں مریض، تیری تمام تر توجہ اپنے رب کی طرف ہونی چاہیے۔ وہی تیرا مقصود ہے، اکل  
 سے کسی حال میں غافل نہ ہو، اس کو فراموش نہ کرے، اس کی یاد میں ہمیشہ رطب اللسان رہ۔  
 اسی کی طلب میں کوشاں اور اسی کا جو یاں رہ، مقصود سے غفلت بڑی محرومی ہے۔ یہ بھی سبق دیا  
 کہ تیری راہ میں جو کٹا آتے ہٹادے اور جو روڑا بنے اسے ٹھوکر مار دے، خواہ وہ کسی روپ  
 میں ہو، انسانی شکل میں ہو یا بتاتی بھیس میں، خواہ اپنے کو مسلمان ہی کہتا ہو، تنہا ہو یا جماعت و  
 جمعیت کے نام سے ہو، پھر خواہ وہ جہلا ہوں یا علما، مگر تیری راہ صراط مستقیم میں جو روڑا بنے،  
 اس کو ٹھکرادے، کیوں کہ وہ تجھ کو تیرے مقصود سے محروم کرنا چاہتا ہے۔ تجھے صراط مستقیم پر چل  
 کر خدا تک پہنچنا ہے۔ خداوند قدوس کی رضا اور اس کے حبیب جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم کی خوشنودی اسی میں ہے۔ صراط مستقیم صرف مذہب اہل سنت جماعت ہے۔

## آخرت میں کامیابی کا طریقہ

کار امروز بفسد و گزراے آسے

آج ہی چاہئے اندیشہ فردا دل میں

مزید! دنیا فانی ہے، ناپائیدار ہے آخرت باقی ہے، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے، دنیا کی زندگی بے ثبات ہے، ختم ہونے والی ہے۔ آخرت کی زندگی جاودانی ہے۔ دنیا میں انسان آخرت کے لیے آیا ہے۔ اس جاودانی زندگی کا سامان کرنا ہے۔ اسی لیے سید عالم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: الدنيا مزرعة الآخرة۔ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ یہاں کی نیلی وہاں کام آئے گی۔ آخرت کی منزل بڑی کٹھن ہے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ارشاد ہے۔

حدیث: عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
علیہ وسلم امنہ قال لابی ذر	ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا
الغفاری رضی اللہ عنہ ابا ذر	اے ابو ذر! کشتی درست کر لو۔ اس
جدد سفینة فان البحر عمیق	یہ کہ دریا بڑا عمیق ہے، پورا پورا تو شرلو
وخذ الزاد كاملاً فان السفر	کوٹو۔ نہ بڑا طویل ہے، بوجھ ہلکا
لبعید و خفف الحمل فان	کر و اس لیے کہ گھائی بڑی سخت
لعقبه کوذ و اخلص العمل فان	بے عمل کر دخالس کرو۔ کیوں کر پکھنے
الناقد بصیر۔ (منہات عقلمانی)	والا بصیر ہے۔

اس حدیث میں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے چار چیزوں کا حکم دیا۔ کشتی درست کرنے کا، توڑنے کا، ساتھ لینے کا، بوجھ ہلکا کرنے کا، عمل خالص کا اور ان چاروں کے ساتھ آخرت کی دشا و گذار متراہیں بطور مثال بیان فرمائیں۔

یہ کشتی جس کی درستی اور مضبوطی کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا، عمل صالح ہے، اور یہ زادِ کامل جس کے ساتھ لینے کے لئے ارشاد فرمایا، عبادت الہی اور یادِ خداوندی ہے اور وہ بوجھ جس کے ہلکا کرنے کا حکم فرمایا، گناہوں اور نافرمانیوں کا بارگراں ہے۔

عمل صالح اور عبادت الہی میں اخلاص کی تعلیم دی ہے۔ اس لئے کہ کیسی ہی عبادت ہو، بڑی سے بڑی ریاضت ہو، اگر اس میں ریا و سمعہ ہے تو وہ بارگاہ الہی میں سرگز مقبول نہیں، ایسی عبادت غابہ کے منہ پر ماری جاتی ہے۔

حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ آخرت کی سرخرونی حاصل کرنے کے لئے اعمال صالحہ، عبادت الہی، یادِ خداوندی ضروری ہے۔ آخرت میں ہی دولت کام آنے والی ہے۔ اس کے ساتھ معصیت اور گناہ سے پرہیز کرنا لازم ہے۔

شامت اعمال سے اگر مبتلا ہو جائے تو فوراً اندامت کے ساتھ توبہ کرے۔ سبزیک کام المذرب الغزت اور محبوب، علیہ السلوۃ والتسلیم کی خوشنودی کے لیے کرے۔ ریاکاری، دکھاوا، سرگز مقصود نہ ہو، کیونکہ ریا کی کو بھلا کر خاک کر دیتی ہے۔

فائدہ: تکمیل انسانی کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں۔ اول گناہوں

سے پاک ہونا۔ دوم عبادت الہی سے مزین ہونا۔

اس حدیث میں بڑی جامعیت کے ساتھ دونوں کی

تعلیم دی ہے۔ تکمیل انسانی کے لئے رحمۃ اللعالمین

کی تعلیم پر عمل ضروری ہے۔ آخرت کی تمام خوبیاں

اسی پر موقوف ہیں۔ دنیا کی بھلائی اور بہتری بھی

اسی میں منحصر ہے۔ مسلمان غفلت سے بیدار ہوں  
 اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہدایت و تعلیم پر  
 پورا عمل کریں۔ انشاء اللہ تعالیٰ دونوں جہاں میں  
 سرفراز و فاتح المرام ہوں گے۔

---

## جنت یا جہنم؟

مسلمان کا مقصد آخرت ہے، دنیا سے ایمان کے ساتھ جائے، دوزخ سے نجات پائے جنت میں داخل ہو۔ انعامات و اکرامات کا مستحق ہو، یہی اس کا مطمح نظر ہے۔ اگرچہ جنت اور اس کی تمام نعمتیں ساری خصوصیتیں محض فضل ربانی و عطائے الہی ہے لیکن اس مولائے نعیم و عافرتے ان کے حصول کے لیے اسباب مقرر فرماتے ہیں۔ جنت کے ان خصوصی انعامات و اکرامات کا ذریعہ تقویٰ اور حسن خلق ہے۔ یوں تو ہر نافرمانی اور معصیت کا سبب دوزخ ہے۔ مگر دو چیزیں خاص طور پر انسان کو دوزخ میں لے جانی والی ہیں۔۔۔ انسان کا منہ اور اس کی شرمگاہ۔۔۔

سید عالم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

حدیث؛ عن ابی ہریرۃ قال	ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و	عنه سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ
سلم اتدرون ما اکثر ما	صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تم جانتے ہو کہ وہ
یدخل الناس الجنۃ تقویٰ	کیا چیز ہے جو زیادہ تر لوگوں کو جنت میں
اللہ و حسن الخلق اتدرون	یہ نچاتی ہے وہ تقویٰ اور حسن خلق ہے کیا
ما اکثر ما یدخل الناس النار	جانتے ہو وہ کیا چیز ہے، جو زیادہ تر
الاجوفان الفم والفرج:	لوگوں کو دوزخ میں لے جاتی ہے۔ وہ
مشکوٰۃ شریف	دو چیزیں ہیں جو اندر سے نکالی ہیں وہ
	انسان کا منہ اور شرمگاہ ہے

اس حدیث میں جنت اور اس کے بلند درجات، کے حصول کا ذریعہ دو چیزیں بیان فرمائی ہیں، تقویٰ اور حسن خلق۔

تقویٰ شریعت مطہرہ میں سر معصیت سے بچنا اور تمام احکام الہی بجالانا ہے۔ لہذا تقویٰ کے اندر تمام جملات داخل ہیں، اس لیے تقویٰ حسن خلق کو بھی ضرور شامل ہے۔ پھر اس کو علیحدہ ذکر کرنا یہ تخصیص بعد تقسیم ہے جو حسن خلق کی عظمت پر دلیل ہے۔ یا تقویٰ سے مراد اعمال ظاہری اور خلق سے مراد اخلاق باطنی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ انسان کے اعمال و افعال خداوند کریم کے مطابق ہوں اور باطنی اخلاق و عبادت بھی اس کی خوشنودی کے مطابق ہوں تو وہ شخص جنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے خصوصی انعامات و اکرامات کا مستحق ہے یا تقویٰ اشارہ ہے، بندہ کا حسن معاملہ اپنے خالق کے ساتھ اور حسن خلق اشارہ ہے حسن معاملہ مخلوق کے ساتھ، جو شخص ان صفات کا جامع ہے کہ اپنے خالق کے ساتھ وہی تعلق رکھتا ہے جو ایک فرماں بردار بندہ کا ہونا چاہیے، اور مخلوق کے ساتھ وہی تعلق رکھتا ہے جو عذر اللہ حسن ہیں تو ایسا شخص ضرور اپنے رب کے خصوصی انعامات کا مستحق ہے لہذا طالب جنت کے لیے تقویٰ و طہارت سے آراستہ ہونا چاہیے اور اخلاق سنت مزین ہونا ضروری ہے

انسان کو زیادہ تو دروغ میں لے جانے والی دو چیزیں بیان فرمائیں، انسان کا منہ اور شرمگاہ۔ یہ اس لیے کہ ان دونوں سے معصیت زیادہ ہوتی ہے۔ بھوٹ بولنا، غیبت کرنا، پھل کھانا، گالی بکنا، حرام پینا، حرام کھانا، یہ تمام معصیتیں منہ سے ہوتی ہیں۔

شرمگاہ کی شہوت تمام شہوت پر غالب ہے، یہاں اوقات عقل کو زائل کر دیتی ہے۔ اگر انسان اپنی زبان اور شرمگاہ پر قابو پا جائے۔ پھر انشاء اللہ تعالیٰ وہ ہر برائی سے بچ سکتا ہے اور تمام خطرات سے محفوظ رہ سکتا ہے، اسی لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

یعنی جو شخص مجھے اپنی زبان اور شرمگاہ کی ضمانت دے اس کے لیے جنت کا ضامن ہوں۔  
 تنبیہ؛ مسلمانوں! زبان اور شرمگاہ کی معصیت زیادہ تر دوزخ میں لے جانے والی  
 ہے۔ لہذا اپنی زبان کو قابو میں رکھو۔ صداقت و سچائی کا عادی بناؤ۔ بھوٹے بولتے  
 غیبت کرنے، گالی دینے، بیہودہ بکنے سے باز آؤ۔ شرمگاہ کو حرام سے بچاؤ۔  
 یاد رکھو! زبان اور شرمگاہ دونوں کی حفاظت پر اللہ کے حبیب محمد رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔

## دین میں نئی نئی باتیں پیدا کرنا

معارفِ حدیث کے سابق مضامین سے دلائل قاطعہ کی روشنی میں آفتاب کی طرح ظاہر ہو گیا کہ دین حق سراسر مستقیم، مذہب اہل سنت و جماعت ہے۔۔۔۔۔ اس کے علاوہ تمام مذاہبِ اہل ہیں۔ اثروہی کا مدار صرف مذہب اہل سنت ہے۔ لہذا ہر فرض سے اہم فرض مذہب اہل سنت پر استقامت ہے۔ لہذا زمانہ کر دہیں بد لا کر سے، فتنے پیدا ہوا کریں جو اہل سنت و جماعت سے فتنے نہ پیدا ہوں گے، مکار و کیا د ضرور آئیں گے۔ دجال کذاب ضرور رونما ہوں گے۔ ان سب کا مقصد مسلمانوں کو سراسر مستقیم سے ہٹا کر اپنے دام میں لینا، جہاں میں پھنسانا ہے۔ مخبر اذوق سید عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی ہے اور ان دجالوں اور کذابوں کی پہچان بتائی ہے اور ان کے فتنوں سے محفوظ رہنے کا طریقہ تعلیم فرمایا ہے:-

حدیث: عن ابی ہریرۃ قال	ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و	عنتہ مروی ہے، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ
سلم یكون فی اخر الزمان دجالون	علیہ وسلم نے کہ آخر زمانہ میں دجال اور
کذابون یاتونک من الاحادیث	کذاب ہوں گے۔ وہ تمہارے پاس آئیں
بسم سمعوا انتہ ولا یاتکم	ایسی باتیں لائیں گے جو تم نے نہیں نہ
فیاکم وایاہم لا یضلونکم	تمہارے باپ دادا نے نہیں پس تم ان سے
ولا یفتونکم (مشکوٰۃ شریف)	بچو، اور ان کو اپنے سے بچاؤ۔ کہیں وہ

تمہیں گمراہ کر دیں کہیں وہ تمہیں قتلے

میں ڈال دیں۔

اس حدیث سے تین باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ آخر زمانہ میں دجال و کذاب کا ہونا۔ ان کی علامت و پہچان یہ ہے کہ نئی نئی باتیں سنائیں گے۔ ان سے ایمان کو محفوظ رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان کی بات نہ سنتے، ان سے دور رہے، ان کو اپنے سے دور رکھے۔

یہ دجال و کذاب علماء و مشایخ کے لباس میں ہوں گے۔ حضرت شیخ محقق مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

یعنی جماعت یا شند کہ خود را بکفر و تبلیس در صورت علماء و مشایخ و صلحاء و اہل نصیحت و صلاح نمایند در روغنائے خود را ترویج دہند و مردم را بحداب باطلہ و آرائے فاسدہ بخوانند،

یعنی وہ دجال و کذاب ایسی جماعت ہوں گے جو اپنے مکر و فریب کو علماء و مشایخ اور عابدوں، زاہدوں اور واعظوں کی صورت میں ظاہر کریں گے۔ اسی لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی گمراہی سے بچانے کے لیے ان کی علامت و پہچان بتائی ورنہ ان کی ظاہری صورت دیکھ کر مسلمان ان کے جال میں پھنس جاتے اور ایمان کھو بیٹھتے۔ ان کی علامت سے پہچان لیا جاتا ہے کہ یہ عالم نما دجال ہیں۔ شیخ نما کذاب ہیں، واعظ نما گمراہ کن ہیں۔ عابد نما ایمان کے ڈاکو ہیں۔

مسلمانو! علامت یاد رکھو، اسی سے پرکھو، پہچانو! علامت یہی ہے کہ ایسی ایسی سنائیں گے جو نہ تم نے نہ تمہارے باپ دادا نے سنیں۔ مثلاً میلاد شریف کنھیا کا بنم ہے۔ میلاد شریف سانگ ہے، میلاد شریف ہر حال میں ناجائز ہے۔ میلاد شریف میں پیام حرام ہے یا رسول اللہ کتنا شرک ہے..... امکان کذب کا مسئلہ پرانا ہے، خدا جھوٹ بول سکتا ہے یہ وہ نئی باتیں ہیں جو کبھی کسی مسلمان نے نہیں سنیں۔ جب سے یہ سنانے والے سنانے لگے

صبحی سے کانوں میں یہ آواز آنی شروع ہوئی۔

مسلمانو! بتاؤ کبھی تم نے سنا تھا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ باغی ہیں۔  
 کبھی تم نے سنا تھا کہ یزید پلید حق پر تھا، متقی پر بیزار تھا، تمہارے باپ دادا نے سنا تھا۔ مگر  
 نہیں۔ یزید خبیث کو ہر زمانہ میں مسلمانوں نے نفرت و حقارت ہی کی نظر سے دیکھا۔ حضرت  
 امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صداقت و حقانیت، امامت و شہادت پر ہر قرن کے مسلمان  
 متفق رہے۔ آج جو لوگ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو باغی اور یزید کو متقی پر بیزار  
 متحق خلافت قرار دے ہیں، یہ ایسی بات ہے جو نہ تم نے سنی اور نہ تمہارے باپ دادا نے سنی۔  
 لہذا اس حدیث کی روشنی میں وہ دجال و کذاب ہیں، تمہیں صراط مستقیم بتانا چاہتے ہیں  
 تمہارے ایمان کی حفاظت اسی میں ہے کہ تم ان کی بات نہ سلو۔ ان سے دور رہو، ان کو اپنے سے  
 دور رکھو، تب ایمان سلامت رہے گا۔

## نسخہ تکمیل

صراط مستقیم پر مضبوطی سے قائم رہنا بڑی سعادت اور انتہائی کامرانی ہے اور یہی اسلام کی زندگی ہے جس کا خلاصہ محارم سے بچنا اور عبادت الہی پر کاربند رہنا ہے۔ اللہ کی نافرمانیوں سے بچنا معصیت سے پرہیز و گریز، تزکیہ ہے، اس کے بغیر نور عبادت الہی حاصل نہیں ہو سکتا۔ حضور پر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف عنوان سے اسی کی تعلیم دی۔ ارشاد فرماتے ہیں :-

حدیث: عن ابی ہریرۃ قال	ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم من یاخذ عنی ہوا لکلمات	مروان بن ابی ایاسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، کون ہے جو بوجہ سے سکے اور یاد رکھے یہ کلمات اور ان پر عمل کرے یا عمل کرنے والوں کو تعلیم دے، کہا میں ہوں یا رسول اللہ! پس حضور نے میرا ہاتھ پکڑا اور پانچ کلمے شمار کیے۔ فرمایا محارم سے بچ تو لوگوں میں بڑا عابد ہو اور اللہ کی تقسیم پر راضی ہو، تو لوگوں میں بڑا غنی ہو اور اپنے پڑوسی کے ساتھ احسان کر تو مومن ہو اور لوگوں کیلئے وہی پسند کر جو
فیعمل لہن او یعلم من یعمل بہن قلت انا یا رسول اللہ فاخذ بیدی فعد خمسا فقال اتق المحارم تكن اعبد الناس واحسن الی جارك تكن مومنا واجب للناس ما تحب لنفسك تكن مسلما ولا	

شكراً الضحك فان كثرة  
الضحك تميت القلب  
اپنے لیے پسند کرتا ہے، تو مسلم ہو  
اور زیادہ نہ ہنس اگر زیادہ ہنسے  
(مشکوٰۃ)  
گا تو قلب مر رہ جائے گا۔

اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ چیزوں کی تعلیم دی۔ اول محارم سے بچنا، دوسرے تقدیر الہی پر راضی ہونا، تیسرے پڑوسی کے ساتھ احسان کرنا، چوتھے جو اپنے لیے پسند کرے وہی دوسرے کے لیے پسند کرے، پانچویں زیادہ نہ ہنسے، اور ان پانچوں کے فائدے بھی بیان فرمائے لیکن محارم سے بچنا سب پر مقدم فرمایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان جب تک حرام کام تکب رہتا ہے اور معصیت میں طوت رہتا ہے، نور عبادت سے مستفیض نہیں ہوگا۔ گناہوں کی کثافت و تاریخی اس کو عبادت الہی کے نور سے محروم رکھتی ہے، نور عبادت جب ہی حاصل ہوتا ہے جب معصیت سے پرہیز کرے، حرام سے بچے

ارشاد فرمایا، اتق المحارم گناہوں سے پرہیز کر جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمادیا، اس کے قریب نہ جا، اگر تو معصیت سے بچا رہا تو افضل ترین عابد ہوگا۔ اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اصل مقصود، عبادت میں محارم و معصیت سے بچنا ہے۔ اگرچہ احکام و تقاض خداوندی پر عمل اشد ضروری ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جو شخص محرمات و مکروہات سے پرہیز کرتا ہے، اگرچہ عبادت نافرمانہ، صدقاً خیرات وغیرہ میں مبالغہ نہیں کرتا وہ اس شخص سے افضل ہے جو باوجود ادا تے فرض کے، عبادت نافرمانہ میں تو بڑا غلو کرتا ہے، مگر معاصی سے بچنے کی فکر کم کرتا ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ عابد کو پہلے محارم سے بچنا ضروری ہے۔ معصیت سے تائب ہو کر عبادت الہی میں مصروف ہو تب نور عبادت حاصل ہوگا، اور یہ عابد بہترین عابد ہوگا، مقبول بارگاہ ہوگا، صراط مستقیم کی یہی تعلیم ہے۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چار چیزیں نصیحتیں فرمائیں۔ قناعت کی تعلیم دی کہ

تقسیم الہی پر راضی ہو تو سب سے بڑا غنی ہو۔ کیونکہ کتنا ہی بڑے سے بڑا مالدار کیوں نہ ہو اگر اس کو قناعت نہیں تو اطمینان قلب حاصل نہیں ہو سکتا اور غنا و مالداری سے مقصود اطمینان قلب ہی ہوتا ہے۔ اس لیے فرمایا کہ تقسیم الہی پر راضی ہو تو بڑا غنی ہو جائے۔ اور پردسی کے ساتھ احسان کی تعلیم دی اور اس کا فائدہ یہ بتایا کہ مومن ہو جائے۔ اس لیے کہ مومن کی شان بڑی ہے کہ اس کے اخلاق حمیدہ سے سب کو امن ہو۔ پردسی کا تو حتیٰ بڑا ہے۔ اس لیے اس کے ساتھ خاص طور پر احسان کرے۔ مومن کے جو ہر اخلاق سے یہ بھی ہے کہ دوسروں کو حقیر و ذلیل نہ سمجھے، اپنی برتری و تفوق کا خواب نہ دیکھے لہذا جو اپنے لیے پسند کرے وہ دوسرے مسلمانوں کے لیے بھی پسند کرے۔ یعنی جیسے اپنی عزت پسند کرتا ہے۔ دوسروں کی بھی عزت پسند کرے، یہی مسلمان کی شان ہے، خوف، الہی و خشیت ربانی سے قلب آراستہ ہو، زیادہ بننا قہقہہ لگانا یہ مومن کی شان نہیں کیوں کہ اس سے دل سخت ہوتا ہے، قلب کو یاد خدا سے غفلت ہوتی ہے جو قلب کی موت ہے، قلب کی زندگی ذکر و فکر ہے، یاد الہی ہے، مولیٰ سبحانہ تعالیٰ کا تقرب و نزدیکی حاصل کرنا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان خدا سے تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچیں، عبادت الہی میں مصروف رہیں، تقدیر الہی پر راضی رہیں، صبر و قناعت اپنا شیوہ بنائیں، پردسیوں کے ساتھ احسان کریں دوسرے مسلمانوں کی بھلائی کے خواہاں رہیں، لغو گوئی، فضول منہسی مذاق سے پرہیز کریں، قلب کو خوف الہی کا نشیمن بنائیں، ذکر الہی سے قلب کو منور کریں۔

## اسلامی اخوت

اسلامی اصول کے ماتحت ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ مسلمان کو دوسرے مسلمان سے دلی ہمدردی، امداد و اعانت اور اس کی پردہ پوشی مسلمان کا اعلیٰ فریضہ ہے۔ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کی تعلیم دی ہے۔

حدیث: وان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال المسلم اخو المسلم

ترجمہ: بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان مسلمان کا بھائی ہے

لا یظلمہ ولا یسلمہ ومن کان

فی حاجة اخیه کان اللہ فی

حاجتہ ومن فرج اللہ عنہ

کربۃ من کربات یوم القیامۃ

ومن ستر مسلما ستر اللہ

یوم القیامۃ۔

کرتے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرماتے گا۔

اور جو شخص کسی مسلمان کی تکلیف دور کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کی تکلیف سے بچائے گا اور جو شخص مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرماتے گا۔

اس حدیث میں مسلمانوں کے باہمی تعلقات کی ایسی زرین تعلیم دی ہے کہ اگر مسلمان

اس کے عامل ہو جائیں تو ان کی ساری مصیبتیں ختم ہو جائیں، تمام پرگندگی و تشمت کا خاتمہ ہو

جائے امداد و اتفاق سے قوم مسلم کی شیرازہ بندی ہو کر وہ طاقت پیدا ہو جائے کہ قوم مسلم

کی عظمت رفتہ واپس آجائے۔ حدیث میں اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے رشتہ  
 اخوت قائم کیا، فرمایا: المسلم اخو المسلم یعنی مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، اس کے بعد باہمی تعلقات  
 کی تعلیم دی کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر ظلم نہ کرے، اس کو ذلیل و رسوا نہ کرے، اس  
 کی حاجت و ضرورت کو پوری کرے، اس کی تکلیف و مصیبت کو دور کرے، اس کی پردہ پوشی کرے  
 عزیز و باغور کرے کہ جب ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے یہ برتاؤ ہوگا تو وہ اس کے  
 ساتھ کیا برتاؤ کرے گا، اس کو بھی تو یہی حکم ہے۔ وہ بھی تو مسلمان ہے۔ تو جب ہر مسلمان ایک  
 دوسرے سے یہی برتاؤ کرے اور اپنے نبی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر  
 عمل کر کے کسی مسلمان پر ظلم نہ کرے، نہ اس کی تذلیل کرے اور پوری ہمدردی سے اس کی  
 حاجت و ضرورت کو پورا کرے، اس کی تکلیف و مصیبت دور کرے، اس کی پردہ پوشی کرے  
 تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمان کی ساری دنیائے اسلام ہمدرد ہوگی، اس تکلیف و مصیبت  
 میں پوری دنیائے اسلام کام آئے گی، سبھی اس کی پردہ پوشی کریں گے تو قوم مسلم کی قوت و  
 طاقت کس بلندی پر پہنچے گی، حاجت مندوں کی حاجتیں پوری ہوں گی، مصیبت زدوں کی مصیبتیں  
 دور ہوں گی، ذلیل و رسوا احرار و وقار پائیں گے، پوری قوم مسلم سدھر جائے گی، پھر اس پر  
 انعامات الہی قابل غور ہیں۔ فرماتے ہیں جو شخص اپنے بھائی مسلمان کی حاجت پوری کرے تو اللہ  
 تعالیٰ اس کی حاجت پوری فرمائے گا۔ اللہ اکبر۔ کتنا بڑا انعام ہے کہ خالق کائنات، رب  
 السموات والارض اس کا بدلہ خود دے، اس کی حاجت پوری فرمائے اور جو شخص کسی مسلمان  
 کی تکلیف دور کرے، اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کی تکلیف دور فرمائے۔ غور کرو قیامت تو قیامت  
 ہے، اس کی تکلیف قیامت پر قیامت ہے، مگر مسلمان کے ساتھ دنیا میں اس احسان کا  
 بدلہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس کو آخرت کی تکلیف سے بچائے گا۔ خلاق کائنات کا یہ کتنا بڑا انعام  
 انہاں ہے جو شخص دنیا میں کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے تو خداوند کریم آخرت میں میدان قیامت  
 میں اس کی پردہ پوشی فرمائے۔ پیارے عزیز سنی بھائیو! اپنے نبی جناب محمد رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم پر عمل کر کے دنیا و آخرت کی عزت و دولت اور نعمت کے مستحق بنو۔

## بد نظری کی مذمت

افعال و کردار ہی کی بلندی سے انسان کی بڑائی ہے۔ اچھے کردار سے انسان سرفراز اور بد کرداری سے آدمی ذلیل و رسوا ہوتا ہے۔ اسی لیے اسلام نے ہر موقع پر اچھے کردار کی تعلیم دی اور بد کرداری سے بچایا۔ حمد ہے کہ راستے پر بیٹھنے سے بھی روک دیا اور منع کر دیا کہ نظر خطا کرے گی۔ دل میں بدی آئے گی، نتیجہ بد کرداری ہوگا جس کو ذلت و رسوائی لازم ہے اس لیے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درخت کی جڑ ہی کاٹ دی جس کے برگ و ثمر سے عزت انسانی کو خطرہ تھا۔

حدیث: عن ابی سعید الخدری	ترجمہ: ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے
عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم	مروی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
قال ایاکم والجلوس علی الطریق	راستوں پر نہ بیٹھو، لوگوں نے عرض کیا اس
فقالوا مالنا بہ بدانہا	کے سوا کوئی چارہ نہیں، وہی ہماری مجلسیں
ہو مجالسنا فتحدث	ہیں، وہیں بیٹھ کر بات چیت کرتے ہیں فرمایا
فیہ قال اذا ابیتم الا	جب تم نہیں مانتے راستوں پر بیٹھنا ہی
المجالس فاعطوا الطریق	چاہتے ہو تو راستہ کا حق ادا کرو، عرض
حقہا قالوا وما حق الطریق	کیا راستہ کا حق کیا ہے؟ فرمایا نظر
قال غض البصر وکف	نیچی رکھنا راستہ سے تکلیف دہ چیز دور
الاذی ورد السلام وامر	کرنا، سلام کا جواب دینا، نیکی کی

بالمعروف ونہی عن المنکر۔ (بخاری) حکم کرنا اور برائی سے روکنا۔

مسلمانو! غور کرو اس قدر بلند کردار کی تعلیم ہے کہ پہلے تو اس جگہ بیٹھنے ہی سے روکا، مگر جب نہ مانے تو ایسا پابند کر دیا کہ کسی طرح بھی پائے استقامت کو لغزش نہ ہو، انسان راستہ پر بیٹھا ہوا بھی اپنے اسی بلند مقام پر فائز رہے۔ اس کا منارۃ وقار اس پستی میں بھی اسی بلندی پر رہے۔ اسی لیے فرمایا دیکھو نظر نہ اٹھنے پائے، کیونکہ نظر ہی ایک زہر لایا تیر ہے جس کا اثر قلب پر پڑتا ہے اور انسان متاثر ہو کر بد کرداری میں مبتلا ہو جاتا ہے، جس کو ذلت و رسوائی لازم ہے جب نظر ہی نہ اٹھے گی تو دل میں بدی کا خیال ہی نہ آئے گا۔ پھر برائی کیوں کر ہوگی۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے بد کرداری کا دروازہ بند کر دیا۔ راستہ میں ایسی کوئی تکلیف دہ چیز جیسے کانٹا، پتھر وغیرہ پڑا ہو، جس سے چلنے والوں کو تکلیف ہو تو انسانی ہمدردی کے ماتحت اس کا دور کرنا ضروری ہے تو تاکہ گزرنے والے تکلیف سے بچیں، اگر ایسی چیزوں کو راستہ سے ہٹا دیا تو چلنے والوں پر اس کردار کا اثر پڑے گا اور ان کے دلوں میں ایسے شخص کی محبت اور عزت ہوگی اور اگر راستہ سے ایسی چیز کو دور نہیں کیا تو راستہ چلنے والے ان چیزوں سے لذت پا کر ان بیٹھنے والوں سے نفرت کریں گے یہ کہیں گے کہ یہ لوگ بیٹھے دیکھ رہے تھے۔ ان سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ اس خطرے کی چیز کو دور کر کے راہ گیروں کو تکلیف سے بچا لیتے۔ اسی لیے حکم دیا کہ کف الاذی یعنی راستہ سے تکلیف دہ چیز دور کرو۔

سلام کا طریقہ یہی ہے کہ گزرنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کرے۔ سلام کرنا سنت ہے اور اس کا جواب دینا واجب ہے۔ لہذا اسلامی طریقے کے مطابق جب گزرنے والے سلام کریں تو بیٹھنے والوں کو سلام کا جواب دینا ضروری ہے۔ اس لیے فرمایا، سلام کا جواب دو۔ گزرنے والوں میں ہر قسم کے لوگ ہوں گے، فاسق و فاجر بھی اور متقی پرہیزگار بھی سبیک بھی ہوں گے اور بد بھی، بدوں کو نصیحت و ہدایت کی ضرورت ہے لہذا بیٹھنے والوں پر...

امرو بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ڈیوٹی لگا دی جس سے بدوں کی اصلاح ہو، ان کی

بد کرداری دور ہو، وہ نیک نہیں جب ان بیٹھنے والوں پر ہدایت و نصیحت لازم کر دی گئی تو ان کو خود نیک کردار ہوتا ضروری ہو گیا، پہلے یہ خود بد کرداری سے بچیں، پھر دوسروں کی رہنمائی کریں۔ یہ ہے سرور عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور یہی صراطِ مستقیم ہے۔

---

## اعضای بدن کا صدقہ

منعم حقیقی کے انعامات و احسانات احاطہ حد و شمار سے باہر ہیں۔ کیا مجال کہ اس پاک بے نیاز کی نعمتیں گنا سکے۔ انسان کار و نگار و گنا اس کے احسان عظیم کا مہربان منت ہے۔ سر سے پیر تک تمام اعضاء کا ہر ہر جوڑ پروردگار عالم کی نعمت ہے اور ہر نعمت پر منعم کا شکر واجب ہے، لہذا ہر عضو اور ہر جوڑ پر اس رب کریم کا شکر واجب ہے۔ اسی لیتے آقائے نامدار مدنی تاجدار حبیب کر و کار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسان پر ہر روز اس کے جوڑوں کی طرف سے صدقہ ہے:-

حدیث: عن ابی ہریرۃ قال	ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ	مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کل سلاخی من الناس علیہ	وسلم نے، انسان کے ہر جوڑ پر صدقہ ہے
صدقة کل یوم تطلع فیہ	روز جس میں آفتاب طلوع ہو یعنی کسی دن
الشمس یعدل بین اثنين	کی تخصیص نہیں، دو شخصوں میں عدل
صدقة و یعین الرجل علی	انصاف کرنا صدقہ ہے، کسی کی امداد کی
دابتہ تجمل علیہا او یرفع	اس کے بناؤ پر اسے سوار کر دے یا اس
علیہا متاعہ صدقة والکلیۃ	کا سامان اٹھا دے صدقہ ہے، کلمہ خیر صدقہ
الطیبة صدقة وکل فطرة	ہے، ہر قدم جو نماز کی طرف اٹھے صدقہ
ینخطوہا الی الصلوة صدقة و	اور راستہ سے تکلیف وہ چیز دود کرے وہ

بسيط الاذى عن الطريق صدقة۔ ربحاً شريفاً

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا وجود بڑی نعمت ہے۔ ہاتھ پیر، آنکھ، ناک، کان، وغیرہ ہر عضو مستقل ایک ایک نعمت ہے۔ عضو کا ہر جوڑ نعمت ہے۔ اس رب کریم نے اپنی حکمت بالغہ سے اعضاء میں جوڑ رکھا ہے جس سے قبض و بسط ہوتا ہے۔ چلنا پھرنا، اٹھنا بیٹھنا، اینا دینا جسم کے تمام افعال و حرکات جوڑ ہی کی وجہ سے ظہور میں آتے ہیں۔ اگر اعضاء میں جوڑ نہ ہوتے بلکہ بلا جوڑ کے ہڈیاں ہوتیں تو نہ ہاتھ کام دیتے نہ پیر، انسان معطل ہو کے رہ جاتا، لہذا اس حکیم مطلق نے ایسی تخلیق فرمائی کہ جس سے ہر عضو اپنا پورا پورا کام کرتا ہے اور انسان کا فرمانبردار رہ کر اس کی تمام ضروریات پوری کرتا ہے اس لیے ہر جوڑ اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے لہذا ہر جوڑ پر اپنے خالق و مالک کا شکر کرنا لازم ہے اور ہر روز شکر لازم ہے کیونکہ ہر روز انسان کو نئی زندگی ملتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ انسان کے جسم میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں اور ہر جوڑ کا شکر کیسے ادا کرے۔ مالی شکر ادا کرنے کے لیے کم از کم تین سو ساٹھ بار روزانہ راہ خدا میں مالی قربانی پیش کرے۔ صدقہ دے، خیرات کرے۔ یہ تو بالدار کے لیے بھی مشکل ہے۔ چہ پائیکہ غریب، فقراء اور نادار وہ اس منزل شکر پر کیوں کر پہنچ سکتے ہیں اور اگر زبان سے شکر ادا کرے تو کم از کم تین سو ساٹھ بار روزانہ اللہ عزوجل کی حمد و ثنا بجالائے یہ بھی ہر شخص کے لیے دشوار ہے۔ اس لیے رحمتہ العالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کا ایسا آسان حل فرمادیا کہ جس سے ہر امیر و غریب، صغیر و کبیر آسانی سے شکر ادا کر سکتا ہے اور اس اہم فریضہ سے بہ سہولت سبکدوش ہو سکتا ہے۔

فرمایا، دو شخصوں میں عدل و انصاف صدقہ ہے۔ مسلمان کی امداد و اعانت صدقہ ہے، خواہ وہ کتنا ہی ہو کہ اسے اس کے گھوڑے پر سوار کر دے یا اس کا بوجھ اٹھا کر رکھ دے، یا کلہ زئیر، اچھی بات زبان سے کہ دے یہ بھی صدقہ ہے۔ کسی تکلیف دہ چیز کو راستہ سے ہٹا دے یہ بھی صدقہ ہے۔ راہ خدا میں صدقہ دینے سے ثواب ملتا ہے اسی طرح یہ سب

امور باعث اجر و ثواب ہیں۔ پانچوں وقت نماز کے لئے مسجد کو جانا قدم قدم پر نیکی ہے اور  
 اجر و ثواب ہے، مسلمان کا خیر میں مصروف ہوں، نماز یا جماعت کے پابند ہوں تاکہ فریضہ شکر  
 سے سبکدوش ہوں، ذخیرۂ آخرت جمع کریں، یہی صراط مستقیم ہے۔

---

## صدقہ دینے والے

عبادات الہی و طاعت ربانی کا ثواب جنت ہے، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صدقہ، خیرات اور سب امور خیر باعث دخول جنت ہیں، لیکن خصوصیت سے صدقہ و خیرات، رضائے الہی کے لیے مالی عبادت میں سبقت کرنا، زیادہ عمدہ لینا اور بجائے ایک کے راہ خدا میں دو خرچ کرنا، بڑی مقبولیت ہے۔

ترمذی، بیشک ابو سریرہ رضی اللہ عنہ نے  
کہا کہ میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم سے، فرماتے ہیں جس نے جو خرچ  
کیا کسی چیز کا فی سبیل اللہ، وہ جنت کے  
دروازوں میں سے پکارا جائے گا کہ اے  
اللہ کے بندے یہ دروازہ بہتر ہے، جو  
شخص نمازی ہے، وہ باب الصلوٰۃ سے  
پکارا جائے گا اور جو مجاہد ہے وہ باب الجہاد  
سے پکارا جائے گا اور جو صدقہ دینے والا  
ہے وہ باب الصدقہ سے پکارا جائے گا  
اور جو روزہ دار ہے وہ باب الایمان سے  
پکارا جائے گا۔ حضرت ابو بکر صدیق

حدیث: ان اباً هريرة قال  
سمعت رسول الله صلى الله  
عليه وسلم يقول من انفق  
زوجين من شيء من الاشياء  
في سبيل الله دعى من ابواب  
يعني جنة يا عبد الله هذا خير  
فمن كان من اهل الصلوة  
دعى من باب الصلوة و  
من كان من اهل الجهاد  
دعى من باب الجهاد و من  
كان من اهل الصدقة دعى  
من باب الصدقة و من

کان من اهل الصيام دعی  
من باب الדיان فقال  
ابوبکر ما علی هذا السدی  
یدعی من تلك الابواب من  
ضورة وقال هل یدعی منها  
کلهما احد یارسول الله فقال نعم  
وارجوان سکون منهم یا ابابکر۔  
رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا جو شخص ان  
دروازوں میں سے کسی ایک دروازے  
سے پکارا جائے گا، اس کو دوسرے  
دروازہ کی حاجت نہیں اور عرض کیا  
یا رسول اللہ! کیا کوئی سب دروازوں  
سے پکارا جائے گا، حضور نے فرمایا ہاں  
اور فرمایا امید کرتا ہوں کہ تم انہیں میں ہو  
اسے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(بخاری شریف)

نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ ادا کرنے والوں کو ایک ایک دروازے سے پکارا جائے گا۔  
یعنی نمازی باب الصلوٰۃ سے پکارے جائیں گے۔ مجاہد باب الجہاد سے پکارے جائیں گے۔  
صدقہ دینے والے باب الصدقہ سے، روزہ دار باب التیان سے پکارے جائیں گے۔ لیکن جو  
شخص فرائض ادا کرنے کے ساتھ صدقہ نافلہ میں زیادہ حصہ لیتا ہے کہ بجائے ایک کے دو دیتا  
ہے اس کی پکار جنت کے ہر دروازے سے ہوگی، ہر دروازے سے فرشتے اسے بلائیں گے کہ  
اس دروازے سے جنت میں داخل ہو۔ یہ اس کے مزید اعزاز و اکرام کی دلیل ہے۔ یہ اس کی  
عزت افزائی ہے، خداوند کریم کے نزدیک اس کی بڑی مقبولیت ہے، مقبولان بارگاہ میں اس کا  
بڑا مرتبہ ہے۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے رب کی عبادت میں مصروف رہیں۔ کار خیز جمع کر کے  
جنت کے مستحق بنیں، مالی عبادت میں زیادہ سے زیادہ حصہ لے کر نمایاں امتیاز حاصل کریں  
تو خصوصی اعزاز کے مستحق ہوں، دنیا فانی ہے، چند روزہ ہے، دنیا کا اعزاز و اکرام بھی فانی ہے  
نہم ہو جائے گا۔ آخرت باقی ہے اس کا اعزاز و اکرام بھی باقی ہے۔ ہمیشہ ہمیشہ رہنے والا ہے  
لہذا مسلمانوں کو آخرت کے اعزاز و اکرام کی سعی کرنا چاہیے

فائدہ: اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا، کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان مقبولان بارگاہ الہی میں ہیں جن کی پکار جنت کے ہر دروازے سے ہوگی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جنت کے ہر دروازے سے پکارا جائے گا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی انتہائی مقبولیت اور فضیلت پر دلیل ہے کہ ہر دروازے کے فرشتے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلائیں گے۔

## برکات رمضان

ہر سلیم الفطرۃ انسان طہارت اور پاکیزگی پسند کرتا ہے، طہارت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ظاہری جو محسوس ہوتی ہے، باطنی وہ جو غیر محسوس ہے۔ انسان جس طرح ظاہری طہارت پسند کرتا ہے، باطنی طہارت بھی مرغوب رکھتا ہے۔ باطنی طہارت معصیت اور گناہوں سے پاک ہونا ہے۔ ماہ رمضان المبارک کی مخصوص عبادت باطنی طہارت کی ضمانت ہے۔

حدیث: عن ابی ہریرۃ قال	ترجمہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	مروی ہے، کہا کہ فرمایا رسول اللہ
من صام رمضان ایمانا و	صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص بحالت ایمان
احتساباً غفرلہ ما تقدم من	طالب ثواب ہو کر رمضان کے روزے
ذنبہ و من قام رمضان	رکھے اس کے پہلے گناہ بخش دیئے جائیں
ایمانا و احتساباً غفرلہ ما	گے اور جو شخص رمضان شریف کی راتوں
تقدم من ذنبہ و من قام	میں نماز تراویح پڑھے اس کے پہلے گناہ
لیلة القدر ایمانا و احتساباً	بخش دیئے جائیں گے اور جو شخص
غفرلہ ما تقدم من ذنبہ	شب قدر میں نفل پڑھے اس کے پہلے
مشکوٰۃ شریف	گناہ بخش دیئے جائیں گے

اس حدیث میں ماہ رمضان المبارک کے روزے اور اس کی راتوں میں نماز نفل تراویح کا یہ اجر و ثواب بیان فرمایا کہ روزہ دار اور تہجدی کے پہلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں، یعنی

اس ماہ مبارک کی یہ برکت و عظمت ہے کہ اس کے عابد کے پہلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اس کو باطنی طہارت حاصل ہوتی ہے اور وہ پاک و صاف کر دیا جاتا ہے۔ اس حدیث سے ماہ رمضان المبارک کی فضیلت بھی معلوم ہوتی ہے کہ یہ وہ عزت و عظمت والا مہینہ ہے جس کی عبادت بارگاہ الہی میں اس درجہ مقبول ہے کہ اس کو گناہوں سے پاک کر دیا جاتا ہے۔

ہر مسلمان صاحب ایمان کو اس عزت والے مہینہ کی قدر کرنا چاہیے۔ اس مبارک مہینہ کو غنیمت جانتا چاہیے۔ یہ برکت والا مہینہ سال بھر کے بعد میسر آتا ہے۔ زندگی کا کیا اعتبار آئندہ عمر و فاکرے یا نہ کرے۔ یہ ماہ مبارک میسر آتے یا نہ آتے خوش قسمتی سے مل گیا ہے، اس کو نعمت الہی سمجھ کر نہایت ذوق و شوق سے روزہ اور نماز کا پابند رہے۔ دن میں روزہ رکھے اور رات کو نماز تراویح ادا کرے، شب قدر میں بیدار رہ کر عبادت الہی میں مصروف رہے، سرمایہ آخرت جمع کرے۔

یہ سارا اجر و ثواب اور گناہوں کی معافی اور معصیت سے طہارت ایمان و اعتساب کی شرط سے مشروط ہے۔ حدیث شریف میں ایمان و اعتساب فرمایا ہے یعنی روزہ اور نماز اور شب قدر کی عبادت پر جو گناہوں کی بخشش و مغفرت کا وعدہ ہے وہ مومن ہی کے لیے ہے۔ غفلت ہی کے لیے ہے جو شخص دولت ایمان سے محروم ہے، اس کا روزہ، نماز اور ساری عبادتیں اگرچہ ماہ رمضان میں ہوں سب بیکار ہیں، وہ چاہے خود روزہ رکھے یا دوسروں سے رکھوائے خود نماز پڑھے یا دوسروں سے پڑھوائے قطعاً بیکار، بے سود، لا حاصل ہے۔ ماہ مبارک میں یہ ساری برکتیں ایمان والوں کا حصہ ہے۔

ایمان و اعتساب کی قید میں اشارہ ہے کہ بدعتیہ شخص اگر اس مبارک مہینہ کی برکت حاصل کرنا چاہتا ہے تو پہلے اپنی بدعتیہ گئی سے توبہ کرے اور صراط مستقیم مذہب اہل سنت و جماعت پر قائم ہو کر سنی مسلمان ہو جائے، پھر طالب ثواب ہو کر روزہ، نماز کا پابند ہو، تب اس مبارک مہینہ میں برکتوں سے پورا پورا حصہ پائے گا۔ ورنہ محروم ہی رہے گا۔

## مساوات محمدی ﷺ

آئی ہے میرے ساتھ مساوات کی شعاع  
یہ آفتاب وقت کی پہلی کرن نہیں!

مذہب اسلام کی خشتِ اول سے لے کر اس کی تعمیرِ ثریا تک مساوات کی تعلیم ہے  
حقیقی مساوات صرف اسلام کا طغرة امتیاز ہے۔ اسلام سے قبل مساوات کا لفظ دنیا نے سنا تھا  
مگر تاریخ شاہد ہے کہ اس کا صحیح مفہوم بھی دماغوں میں نہ آیا تھا۔

دنیا و خشت و بربریت کے بحرانی دور سے گذر رہی تھی۔ زندگی اور زندگی ہی کو مساوات  
قصور کر لیا تھا۔ ارحم الراحمین نے فضل فرمایا کہ اپنے محبوب جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
کو مبعوث فرمایا۔ جن کی تعلیم نے دنیا کو درس انسانیت دیا، مساوات سکھائی۔ بیخ اور حقیقی  
مساوات کا عامل بنایا جس نے غلامی اور آفتابی کافر فرق اٹھا دیا، شاہی و گدائی کا امتیاز مٹا دیا۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز

نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

بھائی اور برادری ہی نہیں بلکہ غلاموں کے ساتھ حقیقی مساوات کی تعلیم دی۔ دنیا  
حیرت زدہ ہے۔ تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

حدیث: عن المعزور قال لقیبت (ترجمہ) حضرت معزور سے مروی ہے فرمایا

ابا ذر الریدة وعلیہ حلة و میں ابو ذر سے ریدہ میں ملا، وہ حلپنہ ہوتے

علی غلامہ حلة سالتہ عن تھے اور ان کا غلام بھی حلپنہ ہوتے تھے

ذالك فقال افي سابت رجلا  
 فعيروا بامه فقال لي النبي  
 صلى الله عليه وسلم يا اباذر  
 اعيرته بامه انك امرؤ  
 فيك جاهليه اخوانكم  
 خولكم جعلهم الله تحت  
 ايديك فمن كان اخوه  
 تحت يده فليطعمه ما  
 ياكل وليلبسه ما يلبس  
 ولا تكلفوهم ما يغلبهم  
 فان كلفتموهم فاعينوهم

میں نے ان سے اس کی وجہ دریافت  
 کی، فرمایا۔ میں نے ایک شخص کو گانا دی  
 اس کی ماں سے عار دلایا، مجھ سے حضور صلی  
 اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اسے ابوذر کیا تو نے  
 اس کی ماں سے عار دلایا، مجھ میں جاہلیت  
 ہے تمہارے بھائی تمہارے تابع ہیں۔ ان کو  
 تمہارے قبضہ میں کر دیا ہے پس وہ شخص  
 کہ اس کا بھائی اس کے قبضہ میں ہو تو اس  
 کو کھلاتے جو خود کھاتے اور وہ پہنتے جو  
 خود پہنتے اور ان کو اتنی تکلیف نہ دو جو  
 ان پر شاق ہو۔ اگر ایسا کرو تو تم بھی ان  
 کی اعانت کرو۔

(بخاری شریف)

اس حدیث میں ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فحش کلامی سے روکا  
 گالی گلوچ کو جاہلیت قرار دیا جس اخلاق کی تعلیم دی کہ غلاموں کے ساتھ بھی مساوات کا برتاؤ کرو  
 حدیہ کہ لباس و غذا میں بھی مساوات ہو۔ جیسا لباس تم پہنو ویسا ہی غلاموں کو پہناؤ، جیسا کھانا  
 خود کھاؤ، ویسا ہی اپنے غلاموں کو کھلاؤ۔ کس قدر بلند کرداری کی تعلیم ہے۔  
 یہ مالک ہے غلام مملوک ہے، یہ مملوک کے ساتھ یہ مساوات کہ لباس و غذا ایک میں  
 برابری۔ اس تعلیم پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کیسے عامل تھے کہ اپنے برابر غلاموں کو  
 رکھتے تھے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا عمل حدیث سے ظاہر ہے۔ فاتح اعظم، امیر المومنین حضرت  
 عمر رضی اللہ عنہ فتح بیت المقدس میں اونٹ کی مہار پھر کر پیدل چل رہے تھے، اور آپ کا غلام  
 اونٹ پر سوار تھا۔ کیا دنیا اس کی مثال پیش کر سکتی ہے؟

مسلمانو! غور کرو تمہارے نبی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تعلیم ہے کہ غلاموں کے ساتھ اس درجہ مساوات ہے کہ لباس و غذا میں برابری ہے، سوار اور پیدل چلنے میں برابری ہے تو اپنے اعزاء و اقربا بھائیوں برادروں کے ساتھ کیا برتاؤ ہونا چاہیے؟ بلاشبہ اسلامی تعلیم ہی سبق دیتی ہے کہ بھائی کو کم از کم اپنے برابر اپنی بلند سطح پر ضرور رکھنا چاہیے۔ اپنے آرام کی فکر ہو تو اپنے بھائی کے آرام و راحت کو بھی ضرور یاد رکھے۔ خود تکلیف سے بچے تو اپنے بھائی کو بھی تکلیف سے بچاتے۔ نوکروں، ملازموں اور مزدوروں کے ساتھ بھی نرمی و خوش اخلاقی سے پیش آتے۔ ان کے راحت و آرام کا بھی ضرور ضرور خیال رکھے۔

## نوافل کی اہمیت

برادران اسلام! عبادت الہی، طاعت ربانی، رضائے الہی کا سبب ہے۔ بالخصوص نماز دنیا و آخرت کی نعمتوں اور برکتوں کے حصول کا واحد ذریعہ ہے۔ ادا تے فرض کے بعد نوافل کی مداومت بارگاہِ خداوندی میں بڑی مقبولیت رکھتی ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز نفل کے پابند تھے۔ اذان کے بعد دو رکعت نماز ادا کرتے جب بے وضو ہوتے وضو کرتے اور دو رکعت نماز نفل تحیۃ الوضو پڑھا کرتے تھے۔ اس نماز کی پابندی نے ان کو زندگی میں جنت میں پہنچا دیا۔

حدیث: عن بريدة قال اصباح	ترجمہ: حضرت بريدہ رضی اللہ عنہ سے
مرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	مروی ہے کہ ایک روز صبح کے وقت حضور
فدع ابلاً فقال بما	صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ
سبقتنی الى الجنة ما دخلت	عز کو بلایا اور فرمایا، بلال! رضی اللہ عنہم
الجنة قط الا سمعت	کیا وجہ ہے کہ تم جنت میں میرے آگے آگے
فنعشك اماى قال ما	جاتے ہو۔ میں جب کبھی جنت میں داخل
اذنت قط الا صليت ركعتين	ہوتا ہوں اپنے سامنے تمہارے چلنے کی
وما اصابني حدث قط الا	آہٹ پاتا ہوں۔ بلال رضی اللہ عنہ نے
توضات عنه ورثيت ان	عرس کیا، یا رسول اللہ میں جب کبھی اذان
على ركعتين فقال رسول الله	پڑھتا ہوں تو اذان کے بعد دو رکعت نماز
صلى الله عليه وسلم	پڑھ لیتا ہوں، جب بے وضو ہو جاتا

بہا۔ (رد الوال التومذی) ہوں وضو کر لیتا ہوں اور وضو کے بعد

(مشکوٰۃ شریف) دو رکعت نماز اللہ کے لیے اپنے اوپر

لازم کر لی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا، اسی وجہ سے تم نے یہ مرتبہ

پایا۔

اس حدیث سے نماز نفل تحیۃ الوضو کی فضیلت معلوم ہوتی کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اس نماز کی پابندی نے کتنی بندی پر پہنچایا کہ زندگی میں جنت پہنچے اور بار بار پہنچے۔ کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ میں جب کبھی جنت میں داخل ہوتا ہوں، تمہارے چلنے کی آہٹ پاتا ہوں جس کا بالکل ظاہر مطلب ہے کہ یہ ایک ہی مرتبہ کا واقعہ نہیں ہے بلکہ بار بار ایسا اتفاق ہوا کہ جب حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام جنت میں تشریف لے گئے تو آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آگے چلتا پایا۔

اللہ اکبر! حضرت بلال کی مقبولیت کا یہ عالم کہ زندگی ہی میں جنت میں گئے اور بار بار گئے یوں تو بلال بلا ہیں، ان کے سینے میں وہ قیمتی دل ہے جو عشق رسول کی لازوال دولت کا گنجینہ ہے ان کی مقبولیت کا کیا اندازہ کیا جا سکتا ہے لیکن اس حدیث میں دخول جنت کا سبب نماز تحیۃ الوضو کی رراومت بتائی گئی ہے۔

حضور کے دریافت کرنے پر حضرت بلال نے یہی عرض کیا کہ اذان کے بعد دو رکعت نماز پڑھتا ہوں اور وضو کے بعد دو رکعت پڑھتا ہوں۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہی وجہ ہے۔ معلوم ہوا کہ نماز نفل تحیۃ الوضو کی فضیلت بارگاہِ خداوندی میں بہت زیادہ ہے کہ شیخوں اس پر مداومت کرے وہ مقبول بارگاہِ الہی ہے۔

لہذا مسلمان اپنے رب کی بارگاہ میں مقبولیت چاہتے ہیں تو اعمالِ صالحہ کی پابندی کریں۔ فرائض کی پوری پابندی کریں۔ نماز فرض نہایت ذوق و شوق سے ادا کریں اور نماز

تحمیۃ الوضو بھی پابندی سے پڑھا کریں۔ خداوند کریم اپنا خاص فضل فرمائے گا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی مقبولیت تو انہیں کے ساتھ خاص ہے مگر محبوب کبریا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں رحمت اللہی ہر وقت اپنے آغوش کرم میں لے لینے کے لیے تیار ہے، اس بارگاہ اللہی کا یہ اعلان ہے۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں

راہ دکھلائیں گے، رہرو منبزل ہی نہیں

مسلمانو! آؤ، آؤ، خواب نخلت سے اٹھو، خداوند کریم کی یاد میں دل لگاؤ، زندگی غنیمت جانو، نماز کی پابندی کرو، حتیٰ کہ نوافل پر بھی مداومت کرو، یہی کام آنے والا ہے۔ جب کہ جنت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو بار بار پایا، بارہا ان کی آہٹ محسوس کی تو ثابت ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بار بار جنت میں تشریف لے گئے ہیں۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی اور منامی معراج کے واقعات ہیں۔ روحانی معراج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت مرتبہ ہوتی، البتہ جسمانی معراج ایک مرتبہ ہوتی، جس کا ذکر قرآن مجید اور احادیث کریمہ میں مفصل ذکر ہے۔

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آگے آگے چلنا فادمانہ حیثیت سے تھا۔ خدام آگے بھی چلا کرتے ہیں، راستہ صاف کرتے، آفاکی تشریف آوری کا اعلان کرتے اور بشارت دیتے جاتے ہیں۔

## مقتضات ایمان

عبادت الہی بڑی چیز ہے۔ فلح و اربین و عزت کو میں کا باعث ہے۔ خوشنودی خدا و  
 رضائے مولیٰ کا سبب ہے، بڑی نعمت بڑی دولت ہے، اس کے فوائد گنتی و شمار سے باہر  
 ہیں، لیکن عبادت سے بھی اہم فرض اجتناب عن المعصیت ہے، خداوند قدوس کی نافرمانی سے  
 بچنا عبادت پر مقدم ہے۔ کتنا ہی بڑا عابد ہو جب تک وہ اللہ عزوجل کے محارم سے نہ بچے، عبادت  
 کے ثمرات و برکات سے کما حقہ مستفیض نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے سید عالم محمد رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ کے محارم سے بچے تو لوگوں میں سب سے بڑا عابد ہو۔

حدیث: عن ابی ہریرۃ قال	ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
من یاخذ عنی هؤلاء الکلمات	نے فرمایا، کون ہے جو مجھ سے کلمات نصیحت
فیعمل بہن قلت انا یا رسول	لے اور ان پر عمل کرے یا اس کو تعلیم دے
اللہ فاخذ بیدی فعد	جو ان پر عمل کرے، میں نے کہا یا رسول اللہ
خمساً فقال اتق المحارم	یا رسول اللہ۔ حضور نے میرا ہاتھ پکڑا اور
یکن اعبد الناس وارض	پانچ کلمے شمار کرائے، فرمایا اللہ کے محارم
بما قسم اللہ لك تکن	سے بچو، سب سے بڑا عابد ہو اور اللہ
اغنی الناس و احسن الی	کی تقسیم پر راضی ہو تو سب سے بڑا غنی
جارك تکن مومنا واجب للناس	ہو، اور اپنے پڑوسی کے ساتھ احسان کر

ما تحب لنفسه تكن مسلما و تو مومن ہو اور اپنے لیے جو پسند کرتا  
لا تكثر الضحك فان كثرة الضحك تميت القلب۔  
ہے، وہی دوسروں کے لیے پسند کر  
تو مسلمان ہو اور زیادہ مت ہنس،

(مشکوٰۃ شریف)  
کیونکہ زیادہ ہنسنادل کو مردہ کرتا ہے

اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ کلمے ہدایت کے ارشاد فرماتے۔  
اول اجتناب عن المحارم، دوسرے صبر و رضا، تیسرے پڑوسیوں کے ساتھ احسان کرنا،  
چوتھے اپنے لیے جو پسند کرے دوسروں کے لیے بھی وہی پسند کرنا، پانچویں زیادہ نہ ہنستا،  
اخر ہر ایک کے ساتھ اس کا فائدہ بھی بیان فرمایا۔

اول اجتناب عن المحارم، اس کا فائدہ یہ بیان فرمایا کہ لوگوں میں سب سے بڑا عابد ہوگا۔  
یعنی خداوند تعالیٰ نے جن چیزوں کو حرام فرمادیا، ان کا ارتکاب نہ کرے جن چیزوں سے باز رہنے  
کا حکم دیا، ان کے قریب نہ جائے، کیونکہ معصیت خداوند کریم کی ناراضی کا سبب ہے۔ خداوند کریم  
کی جیت تک نافرمانی کرتا رہے گا، اس کی رضا تبھی حاصل نہ ہوگی اور رضائے الہی جب تک  
حاصل نہ ہوگی، عبادت کا مقصود ہی حاصل نہ ہوگا۔ اس لیے کہ مقصود عبادت رضائے الہی و  
خوشنودی خداوندی ہے، لہذا خواہ کتنی ہی عبادت کرے، صائم الہیہ اور قائم اللیل ہی کیوں  
نہ ہو جائے لیکن اگر معصیت میں مبتلا ہے تو مقصود عبادت فوت ہے، ثمرہ عبادت سے بے بہرہ  
ہے۔ اس لیے پہلے تمام معاصی سے تائب ہو اور بندہ نافرمانیوں کو ترک کر، تب تیری عبادت  
بارگاہ الہی میں درجہ کمال پر پہنچے گی، اور پورا پورا فائدہ ہوگا۔ اس لیے فرمایا:

”اتق المحارم تكن اعبد الناس“

(اللہ کے محارم سے بچ، تب لوگوں میں بڑا عابد ہوگا)

بہت سے لوگ عبادت کرتے ہیں، ریاضت کرتے ہیں، علاوہ فرائض و واجبات کے  
نوافل کی کثرت کرتے ہیں، ذکر و فکر کرتے ہیں لیکن وہ ثمرات مرتب نہیں ہوتے جو ذکر کے

یہے ہونے چاہیے۔ اس کی یہی وجہ ہے کہ کما حقہ 'محارم سے اجتناب نہیں کرتے۔ عابد کو پہلے اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے تائب ہونا اور تمام نافرمانیوں سے باز آجانا ضروری ہے۔ اس کے بعد عبادت کے ثمرات ظاہر ہوں گے اور انشاء اللہ تعالیٰ پورے پورے ظاہر ہوں گے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ عبادت کے فوائد و ثمرات سے پورا پورا مستفیض جب ہی انسان ہو سکتا ہے کہ محارم و معاصی سے بالکل اجتناب کرے کیوں کہ عبادت کے لیے طہارت ضروری ہے۔ بغیر طہارت کے عبادت نہیں مثلاً نماز ہی کے لیے ضروری ہے کہ وہ پہلے طہارت حاصل کرے، اگر غسل کی حاجت ہے غسل کرے، بے وضو ہو تو وضو کرے، بدن یا کپڑے ناپاک ہوں تو پاک کرے، تب نماز پڑھے تو نماز ہوگی۔ اگر بے طہارت نماز پڑھے گا تو نماز ہی نہ ہوگی۔ اس کے فوائد مرتب ہونا چہ معنی دار۔

پھر یہ بھی ضروری ہے کہ غسل اور وضو اچھی طرح کرے تمام فرائض و سنن و مستحبات سب ادا کرے، تب طہارت کامل ہوگی، اس کے بعد نماز ادا کرے گا تو نماز ہوگی اور کامل نماز ہوگی اور نماز کے ثمرات و برکات حاصل ہوں گے۔ اسی طرح عابد کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ کے محارم سے پورا اجتناب کرے، کیوں کہ معصیت کی نجاست باقی رہتے ہوئے کامل طہارت ہی نہ ہوگی، لہذا اپنے معاصی سے تائب ہو کر پوری طہارت حاصل کر لے۔ تب اس کی عبادت کامل ہوگی اور عبادت کے ثمرات و برکات سے کما حقہ مستفیض ہوگا، اس لیے سید عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

”اتق المحارم تكن اعبد الناس“

اللہ کے محارم سے بچ، تو سب سے بڑا عابد ہوگا،

نیز محارم سے بچنا معاصی سے پرہیز کرنا، اپنے گناہوں سے تائب ہونا۔ بھی عبادت ہے، لہذا اگر محارم سے بچا اور معصیت سے پرہیز نہ کیا، گناہوں میں طوٹ رہا تو یہ عبادت

ترک ہوئی، اس عبادت کا تارک ہوا، تو اگرچہ یاد اللہی میں مصروف رہا، عبادت ترک کرتا رہا۔ فرائض و واجبات ادا کرتا رہا، نوافل کی کثرت بھی کرتا رہا لیکن اقتناہ عن المعاصی جو عبادت اللہی تھی، اس کا تارک ہوا تو اگرچہ عابد ہے لیکن پورا عابد کما حقہ جب ہی ہو گا جب اقتناہ عن المحارم پر یوں کار بند ہو۔ اسی لیے فرمایا، اتق المحارم اعبدا للناس۔

تنبیہ:

اللہ کے حدود و محارم جس طرح اعمال و افعال ہیں، اسی طرح عقائد بھی ہیں جس طرح بد اعمالی، بد افعال کی نجاست سے آدمی طوث ہو کر نامقبول ہوتا ہے، اسی طرح بد عقیدگی کی نجاست سے بھی نجس و ناپاک ہوتا ہے بلکہ اس سے کہیں زیادہ نجس ہوتا ہے اور مردود بارگاہ ہو جاتا ہے۔ لہذا عابد کو پہلے بد عقیدگی سے توبہ ضروری ہے۔ جب تک وہ اپنی بد عقیدگی سے توبہ کر کے اپنا عقیدہ درست نہیں کرے گا، اس کی عبادت قطعاً بیکار ہے، بلکہ مضر ہے۔ جیسے کوئی بحالت جنابت نماز پڑھے تو نماز ہرگز نہ ہوگی بلکہ اس کے لئے مضر ہوگی، یہ تو میں عبادت ہے، اسی طرح بد عقیدہ شخص کی عبادت، عبادت نہیں ہے۔ اس کی نماز، نماز نہیں بلکہ اس کے لئے مضر ہے۔ جب ہی تو بد عقیدہ نمازیوں کی صورت پر ٹھسکا پڑتی ہے، پیشانی سیاہ داغدار، صورت نہایت متوس بد نما، بد رونق معلوم ہوتی ہے۔ ایسے نمازیوں کو پہلے اپنی بد عقیدگی سے توبہ کر کے صحیح العقیدہ منی مسلمان ہو جانا ضروری ہے۔ پھر انشاء اللہ تعالیٰ وہ نماز کے حسنات و برکات سے مستفیض ہوں گے اور ضرور مستفیض ہوں گے۔

اتق المحارم تکن اعبدا للناس،

یعنی اللہ کے محارم سے بچ تاکہ لوگوں میں بڑا عابد ہو۔

اللہ کے محارم وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر حرام کیا ہے، وہ افعال

اقوال کی شکل میں ہوں یا عقائد فاسدہ کی صورت میں عابد کے لئے ان سب سے اجتناب ضروری ہے۔ تمام بد اعمالیوں، ساری بد کرداریوں سے پرہیز کرے، تمام بری باتوں، بد گوئیوں سے زبان کو روکے مثلاً جھوٹ، غیبت، چغلی وغیرہ۔ جن باتوں کا بولنا زبان پر لانا منع ہے۔ ان سے زبان کو روکے۔ تمام بد اعمالیوں مثلاً پوری، شراب نوشی، حرام کاری وغیرہ سب سے دور رہے۔ اسی طرح عقاید باطلہ، فاسدہ سے قلب کو پاک کرے کیونکہ باطل عقیدہ حرام ہے اتق المحارم میں وہ داخل ہے۔ اس طرح باطل عقیدہ سے بھی اجتناب ضروری، اشد ضروری ہے، اس لئے کہ عقاید بنیاد میں، بڑھیں، اعمال و افعال ان کی شاخیں ہیں، جب جڑ ہی خراب ہو تو شاخیں و برگ و ثمر کیسے درست ہو سکتے ہیں جب بنیاد ہی ٹیڑھی ہوگی تو عمارت درست و سیدھی کیونکر ہو سکتی ہے۔ اس لئے عقاید کی اصلاح پہلے ضروری ہے۔ اسی لئے اتق المحارم کو مقدم فرمایا تاکہ عابد تمام بد کرداریوں، بد گوئیوں، بد عقیدگیوں سے پہلے تائب ہو، اس کے بعد مصروف عبادت ہو، تب اس کی عبادت مقبول ہوگی، اور وہ عابد مقبول باگاہ ہوگا۔ لیکن اگر بد عقیدہ ہے مثلاً شان الوہیت میں گستاخی کرتا ہے، کذب کا دھبہ لگا رہا ہے، خداوند قدوس کے لئے امکان کذب کا عقیدہ رکھتا ہے، خدا کا جھوٹ بولنا ممکن جانتا ہے۔ جیسا کہ دیوبندیوں کا عقیدہ ہے تو اس کی عبادت، عبادت نہیں، اس کی تسبیح تسبیح نہیں۔ زبان سے سبحان اللہ خدا کی پاکی بیان کرے اور دل میں یہ عقیدہ رکھے کہ خدا تے تعالیٰ کا جھوٹ بولنا ممکن ہے تو یہ تسبیح مناققانہ ہے۔ ایسا شخص بلاشبہ منافق ہے۔ اس کی تسبیح ہرگز ہرگز تسبیح نہیں اس کی عبادت ہرگز عبادت نہیں۔ لہذا پہلے اپنا عقیدہ درست کرے۔ ہچوں بد عقیدگی سے تائب ہو جائے۔ اس لئے ارشاد فرمایا، اتق المحارم اللہ کے نام سے پڑھ۔ اسی طرح شان رسالت میں جو بد عقیدگی ہے مثلاً دیوبندیوں کا عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم معاذ اللہ، مرکز مٹی میں مل گئے..... جس کا نام محمد یا علی ہے کسی چیز کا شمار نہیں، وغیرہ وغیرہ

ایسی بد عقیدگی سے پہلے توبہ کرے، اس کے بعد مصروف عبادت ہو۔ شان رسالت میں ایسی بد عقیدگی دل میں رکھتے ہوئے عبادت قطعاً بے کار ہے، بلکہ مضر ہے۔ اس لیے فرمایا، اتق المحارم تکن اعبد الناس۔

پہلے عقیدہ درست کر لے تب عبادت کرے تاکہ مقبول بارگاہ ہو۔ ایسے باطل عقیدہ رکھتے ہوئے دل میں گندگی لیے ہوئے نماز پڑھنا، نماز پڑھانا سب بیکار ہے۔ ساری تبلیغ و ہدایت تمام کوششیں رائیگاں ہیں۔ لہذا پہلے اپنا عقیدہ درست کر، پھر مصروف عبادت ہو تو عابد ہوگا، مقبول بارگاہ ہوگا، عبادت پر ثمرات مرتب ہوں گے۔ دل منور ہوگا، انوار برکت حاصل ہوں گے۔ ان کا اثر شکل و صورت سے ظاہر ہوگا۔

آفتاب رسالت جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات عالیہ میں داریں کی صلاح و فلاح ہے، دونوں جہان کی بھلائی و برتری ہے، مسلمان ان پر عمل کریں تو دنیا و آخرت کی تمام کلفتوں اور مصیبتوں سے نجات پائیں، دونوں جہان میں سرفراز و سرخرو اور فائز المرام ہوں۔ معارف الحدیث کے عنوان کا مقصد یہی ہے کہ مسلمان اپنے نبی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات عالیہ سے آگاہ ہوں اور ان پر عمل کر کے دنیا و آخرت کی برتری حاصل کریں۔

دوسری ہدایت یہ فرمائی ہے:

”وارض بما قسم الله لك تكن اغنى الناس“

یعنی اللہ تعالیٰ نے جو تیرے لیے تقسیم کر دیا، اس پر راضی ہو، لوگوں میں سب سے بڑا غنی ہو۔

مال کی تحصیل انسان اپنی ضروریات کی تکمیل کے لیے کرتا ہے، جس کا فائدہ المینان قلب ہے۔ مثلاً بھوکا ہے پیٹ بھرے، تنگ گاہ ہے تو تن ڈھانکے، بے گھر ہے گھر بنائے، پیٹ بھر رہا ہے تو چاہتا ہے کہ عمدہ غذا ملے، تن ڈھانک رہا ہے تو چاہتا ہے کہ عالی شان

بناتے۔ کافی جدوجہد کی مال حاصل ہوا، غذا بھی عمدہ ملنے لگی، لباس بھی نہایت مکلف دستیاب ہوا۔ مکان بھی عالی شان بن گیا۔

یہ سب کچھ میسر آنے کے باوجود بھی یہ چاہتا ہے کہ سرمایہ جمع کرے تاکہ وقتی ضرورت پیش آنے پر کام آتے۔ ان سب کا فائدہ وہی اطمینان قلب حاصل کرنا ہے کہ دل میں جو خواہش ہے لگن ہے پوری ہو جائے، جو قلق و اضطراب بے چینی ہے دفع ہو جائے اور دل مطمئن ہو جائے مگر حال، یہ ہے کہ عمدہ غذا ملے تو اور زیادہ لذیذ و لطیف غذا کی خواہش پیدا ہوتی۔ عمدہ لباس ملا تو اور زیادہ بہتر لباس کی خواہش بڑھی حتیٰ کہ کمخواب کا خواب دیکھنے لگا، عالی شان عمارت ہوتے ہوتے بھی شیش محل اور فلک بوس بلڈنگوں کی خواہش بڑھی مزید سرمایہ ہوتے ہوتے بھی مزید سرمایہ کی خواہش ہوتی ہے۔

ہزار ہیں تو لاکھوں کی فکر، لاکھ ہیں تو کروڑوں کی تمنا، کروڑ ہو تو اربوں کی خواہش۔ غرض کہ مال جتنا بڑھا خواہش بڑھتی گئی۔ تحصیل زر کی پوری کوشش کرتا ہے، انتہائی سعی کرتا ہے۔ مال بڑھتا چلا جاتا ہے، خواہش پوری نہیں ہوتی بلکہ بڑھی چلی جاتی ہے۔ گویا یہ شخص مریض ہے جس کی حالت یہ ہے کہ سہ

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

اس کی مثال استسقار کے مریض جیسی ہے۔ جتنا زیادہ پانی پیتا ہے پیاس اور زیادہ ہوتی جاتی ہے۔

تحصیل مال کا مقصد اطمینان قلب تھا مگر وہ اس کو حاصل نہیں بلکہ جس قدر مال زیادہ ملا، اسی قدر مقصد دور ہوا، مال نہ تھا تو سینکڑوں، ہزاروں کی خواہش تھی۔ جب ہزاروں ملے تو لاکھوں کی خواہش پیدا ہوئی، لاکھوں ملے تو کروڑوں کی خواہش ہوئی۔ بالکل وہی صورت ہوئی کہ جتنا زیادہ پانی پیتا ہے، اتنی ہی زیادہ پیاس بڑھتی ہے۔ جس قدر علاج کرتا ہے، مرض میں ترقی ہوتی ہے۔ سید اکرم مصلح اعظم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے اس مریض کے لیے وہ نسخہ شفا عطا فرمایا جس کے استعمال سے مرض کی بیخ و بنیاد ختم ہو جائے۔ مرض کا نام و نشان باقی نہ رہے۔ تا تو اس مریض صحیاب ہو کر تندرست و قویا ہوا۔ ارشاد فرمایا:-

”دارض بما اقسد الله لك تكن اغنى الناس“

اللہ نے جو تیرے لیے تقسیم کر دیا اس پر راضی ہو۔ تقدیر الہی پر صابر و شاکر ہو تو لوگوں میں سب سے بڑا غنی ہو۔

یعنی غنا و مالداری کا جو فائدہ اطمینان قلب سے تجھے حاصل ہو اور پورا پورا حاصل ہو، ایسا کہ بڑے بڑے دولت مند تیرے سامنے فقیر و بے نوا نظر آئیں۔ تو مطمئن وہ پریشان، تجھے دلجمعی حاصل ہو اور ان کو پرانگی، وہ ادھر ادھر بھٹکتے پھریں تو بارگاہ الہی میں حاضر و مقبول ہو۔ تیسری یہ ہدایت فرمائی:-

”واحسن الى جارک تعین مومناً“

یعنی اپنے پڑوسی کے ساتھ احسان کرتا کہ مومن ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کی تعلیم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو دی ہے یعنی اے ابو ہریرہ! اپنے پڑوسی کے ساتھ احسان کرتا کہ مومن ہو۔ حالانکہ اس تعلیم سے قبل ہی مومن تھے۔ صاحب ایمان تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے اور اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پڑوسی کے ساتھ احسان کریں تب وہ مومن ہوں، مطلب یہ کہ مومن کامل ہوں۔ یہ عمل خیر ایمان کامل کرتا ہے۔ کمال ایمان یہ ہے کہ مومن اپنے پڑوسی کے ساتھ احسان کرے اور پوری پوری ہمدردی سے پیش آئے۔ جب یہ ہے کہ ایمان وہ لڑ رہے کہ جب وہ کامل طور پر قلب مومن میں جلوہ گر ہوتا ہے تو مومن ایسا خوش اخلاق، نیک کردار ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے خالق و معبود حقیقی کو پوری طرح راضی رکھتا ہے اور اس کی مخلوق کو بھی خوش رکھتا ہے۔ اسی رب کریم کی خوشنودی کے لیے اپنے پڑوسیوں کے ساتھ نیک سلوکی کرتا ہے۔ اگر

لئے فرمایا: و احسن الی جارک تکن موصناً یعنی مومن کامل ہوگا۔

مقتضائے ایمان یہی ہے کہ مومن کا کردار اور اس کا اخلاق اس بلند می پر ہو کہ سب کے ساتھ نیکی اور بھلائی کا بڑا دائرہ کرے۔ یوں تو تمام دنیا کے مسلمان اس میں شریک ہیں، سبھی کے ساتھ نیکی اور بھلائی کرنا ہے، سبھی کے ساتھ نیک کردار کے ساتھ پیش آنا ہے، مگر پڑوسی چونکہ اس کے قریب ہے، نزدیک ہے، دن رات اس کے ساتھ رہتا ہے، اس لئے نسبتاً اس کا حق زیادہ ہے، نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پڑوسی کا پڑوسی پر خاص طور پر حق مقرر فرمایا مومن کا ایمان اس بات کو گوارا نہیں کرتا کہ خود عیش کرے اور پڑوسی مصیبت اٹھاتے، اور خود کھائے اور پڑوسی فاقہ کرے، بلکہ ایمان کا مقنا یہ ہے کہ پڑوسی کی خبر گیری رکھے، اس کی تکلیف و مصیبت دور کرنے کی سعی کرے، اس کے دکھ درد میں شریک ہو۔ مومن کی شان یہ نہیں کہ خود آرام سے رہے اور اس کا پڑوسی مبتلا تے مصیبت ہو۔

یہ وہ زریں اصول ہے کہ جب تک مسلمان اس کے پابند تھے، ان میں اتحاد و اتفاق یکجہتی و ہمدردی، ایک دوسرے کی خیر خواہی اس درجہ تھی کہ وہ ہر مسلمان کا درد دکھ اپنا دکھ درد سمجھتے تھے، دوسرے کی تکلیف اپنی مصیبت تصور کرتے تھے۔

اور ظاہر ہے کہ جب یہ جذبہ پیدا ہو جاتے تو مسلمانوں کی طاقت مضبوط و مستحکم ہوگی غریب کو امر سے، امرار کو غریب سے کس درجہ کا ربط و اتحاد ہوگا، ایک دوسرے کا خیر خواہ و قوت بازو ہوگا۔ اگر پوری دنیائے اسلام اس اصول کی پابند ہو جاتے تو مسلمانوں کی تمام پٹیاں دور ہو جائیں جو حوادث زمانہ سے بے خوف ہو کر نہایت اطمینان کی زندگی بسر کریں۔  
مسلمانو! اپنی صلاح و فلاح کے لئے اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم پر عمل کرو اور اس اصول کے پابند ہو جاؤ، اپنے پڑوسیوں کے ساتھ نیک سلوکی کرو۔ ان کی خبر گیری ان کی امداد و اعانت کرو۔ مولائے قدیر تمہاری مدد فرمائے گا۔

## دنیا و آخرت میں بھلائی

ترے میکہ میں کمی ہے کیا؟ جو کچھ ذوق طلب میں ہے!  
جو ہوں پینے والے تو آج بھی وہی بادہ ہے وہی جام ہے

مذہب اسلام ہر بھلائی کا ضامن اور ہر چیز کا جامع ہے، بھلائی خواہ ظاہری ہو یا باطنی،  
دنوی ہو یا اخروی، اسلام نے ساری بھلائیوں کا احاطہ کر لیا ہے۔

مذہب اسلام دونوں جہان کی بھلائی جمع کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اسلام کے قوانین اللہ  
عزوجل اور اس کے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین ہیں۔ ارشاد الہی و ارشاد  
رسول میں نہ صرف آخرت کی ہی بھلائی ہے، بلکہ دونوں جہان کی سرفرازی، سر بلندی ہے۔ اسلام  
نے اپنے حلقہ بگوشوں پر دنیا بھی تنگ نہیں کی بلکہ جس طرح آخرت کی بھلائی حاصل کرنے  
کی تعلیم دی ہے۔ دنیا کی بھلائی، دنیا کی خوبی سے بھی محروم نہیں رکھا ہے۔

حدیث: عن انس ان رسول	ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عاد	ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
مرجلا من المسلمین قد خفت	ایک مسلمان بیمار کی عیادت کی جو نہایت
فصار مثل الصرح فقال له	ہی ضعیف و نحیف مثل چڑیا کے ہو گیا تھا۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	اس بیمار سے حضور نے دریافت فرمایا کیا
هل كنت تدعو الله بشيء او	تو نے اللہ تعالیٰ سے بھلائی کی دعا کی ہے
تسئلہ ایاہ۔ قال نعم كنت	یا بلا و مصیبت کا سوال کیا ہے۔ اس نے کہا

اقول اللهم ما كنت معاقبي  
 به في الآخرة فجعله لي في  
 الدنيا فقال رسول الله صلى  
 الله عليه وسلم سبحان الله  
 لا تطيقه ولا تسطيعه أفلا  
 قلت اللهم اتنا في الدنيا  
 حسنة وفي الآخرة حسنة  
 وقنا عذاب النار قال فدعا الله  
 به فشفاه الله. رواه مسلم (مشکوٰۃ)

ہاں میں یہ دعا کرتا تھا کہ یا اللہ تو مجھے آخرت  
 میں جو عذاب دے وہ دنیا ہی میں جلد بھیج  
 دے۔ حضور نے فرمایا سبحان اللہ تو اس کی طاقت  
 قوت نہیں رکھتا تو یہ دعا کیوں نہیں کرتا کہ  
 اے اللہ تو ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور  
 آخرت میں بھلائی عطا فرما، اور ہمیں دوزخ  
 کے عذاب سے بچا، اس مریض نے  
 جب یہ دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو  
 شفا عطا فرمادی۔

واقعہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مسلمان بیمار کی عیادت کو تشریف لے  
 گئے۔ یہ بیمار سخت مریض تھا، نہایت ہی ضعیف و نحیف، لاغر و دبلا، سحر طر کر مثل چڑیا کے ہو گیا  
 تھا۔ حضور نے اس سے دریافت فرمایا کہ کیا تو نے اللہ تعالیٰ سے کسی بھلائی کی دعا کی ہے یا  
 کسی بلا و مصیبت کا سوال کیا ہے جس میں تو مبتلا ہے۔ تو اس نے عرض کیا کہ ہاں رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم میں نے بارگاہ الہی میں یوں دعا کی تھی کہ خداوند اگر تو مجھے آخرت میں عذاب  
 دے تو وہ دنیا ہی میں پورا کر لے، تو حضور نے تعجب سے سبحان اللہ فرمایا، اور فرمایا تو اس  
 کی طاقت نہیں رکھتا، تجھے اس کی قوت نہیں، تو یہ دعا کیوں نہیں کرتا،

”اللھم اتنا فی الدنیا حسنة و فی الآخرة حسنة و قنا عذاب النار۔“

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور کے ارشاد کے مطابق اس مریض نے  
 جب یہ دعا کی تو فوراً اللہ تعالیٰ نے اس کو شفا عطا فرمادی وہ تندرست ہو گیا۔

نبی کریم رؤف رحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی اس تعلیم سے ثابت ہوا کہ اسلام نے  
 مسلمانوں کے لیے دونوں جہان کی بھلائی داریں کی صلاح و فلاح کے دروازے کھول دئے

ہیں۔ یہ گوارا نہیں کہ مسلمان دنیا کی بھلائی سے محروم رہے۔ یہ مسلمانوں کی غلطی ہے کہ وہ قوانین اسلام پر پورے طور پر عامل نہیں، ورنہ اسلام داریں کی خوبیوں کا جامع اور ہر بھلائی کا ضامن ہے۔ خدا کے پرستار کے لیے دنیا و آخرت، دونوں جہاں میں سرفرازی و سربلندی ہے۔ عزت و شوکت اسی کے لیے ہے۔

مسلمانو! خواب غفلت سے بیدار ہو، اللہ عزوجل اور اس کے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد عالیہ پر عمل کرو، دونوں جہاں کی نعمتیں و برکتیں و عزتیں تمہارے لیے ہیں۔  
**سنائدہ:** اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ مسلمان آخرت کے خوف اور دوزخ کے ڈر سے بھی دنیا میں عذاب آخرت کی دعا نہ کرے، عذاب و بلا کی دعا کرنا منع ہے بلکہ دونوں جہاں کی بھلائی و آخرت کی سرفرازی اور عذاب و دوزخ سے نجات کی دعا کرے۔

## بدگمانی کی ممانعت

مسلمانوں کی صلاح و فلاح اسی میں ہے کہ آپس میں اتحاد و اتفاق کے ساتھ رہیں۔  
اخوت اسلامی کے ماتحت زندگی گزاریں۔ مسلمان کو مسلمان کے ساتھ حسن ظن رکھنا چاہیے۔  
بدظنی و بدگمانی بری بات ہے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:-

حدیث: عن ابي هريرة

قال قال رسول الله صلى الله

عليه وسلم ولا تحسوا و

لا تجسوا ولا تناجسوا و

لا تحاسدوا ولا تباغضوا

ولا تدابروا وكونوا عبدا لله

اخوانا۔

(مشکوٰۃ شریف)

اس حدیث میں سید عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوتے ظنی سے ڈرایا

ہے۔ بدظنی کی برائی بیان فرمائی ہے، اسی طرح عیب جوئی و جاسوسی سے منع فرمایا ہے۔ فریب  
کاری و دھوکہ دہی سے منع فرمایا ہے، مسلمانوں کو باہم متفق و متحد ہونے اور اخوت، اسلامی  
کے ساتھ رہنے سنے کا حکم دیا ہے۔ یہ ایسی صاف ستھری تعلیم ہے جس پر عمل کر کے انسان نہایت  
خوشگوار زندگی گزار سکتا ہے۔ بدظنی، عیب جوئی، بغض و حسد، عنیت و چغلی۔ یہ وہ امراض ہیں

کہ جن کے مریض ہمیشہ حیران و پریشان اور سرگرداں رہتے ہیں اور ذلیل و خوار ہوا کرتے ہیں۔ اللہ کے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو تعلیم دی ہے کہ وہ ان برائیوں سے دور رہیں اور ان بد عادتوں سے بچیں اور آپس میں متفق و متحد رہ کر اسلامی اخوت کے تحت زندگی گزاریں۔

بدظنی کے نتائج بڑے خطرناک ہوتے ہیں جب کسی سے بدظنی ہوتی ہے تو اس کی اچھی بات بھی بری معلوم ہوتی ہے۔ اچھا فعل بھی برا معلوم ہوتا ہے، اس کی طرف سے دل میں ہر وقت ایک خلش رہتی ہے، و غدغہ رہتا ہے، خواہ مخواہ خوف و ہراس رہتا ہے کہ وہ کہیں کوئی خلاف کار والی نہ کرے، کوئی نقصان نہ پہنچا دے، حالانکہ نفس الامر میں کوئی بات نہیں یہ سب اسی کے سینہ کی کدورت، اسی کے قلب کی ظلمت و تاریکی کا اندھیرا ہے۔ اگر بدظنی نہ ہوتی اور اس کا سینہ صاف ہوتا تو ہرگز ایسا نہ ہوتا۔ اس سے خود اسی کو تکلیف ہوتی ہے اور بلاوجہ تکلیف، اس نے خود اپنی بدظنی کی وجہ سے اپنے خیال میں سب کچھ سمجھ رکھا ہے خیالی عمارت تعمیر کی ہے اور واقعہ کچھ نہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی بدظنی کے تحت اس سے ایسی حرکتیں صادر ہوتی ہیں جو اس شخص کی بدظنی اور عداوت کا سبب بن جاتی ہے۔ بالآخر دو لوگوں میں پوری عداوت ہو جاتی ہے اور ایک دوسرے کا دشمن ہو جاتا ہے۔ اگر بدظنی نہ ہوتی تو بہت جلد یہاں تک نہ پہنچتی۔ اس لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بدظنی سے ڈرایا اور چپایا ارشاد فرمایا

مسلمانو! بدظنی سے دور رہو، بڑی خطرناک ہے، بڑی بری بات ہے، دل میں جو باتیں پیدا ہوتی ہیں ان میں مسلمانوں سے بدظنی بہت ہی بری بات ہے۔ اس کو دل سے دور کر دو، ورنہ خود تمہیں تکلیف اٹھانی پڑے گی، انجام یہ ہوگا کہ تمہارے دوست دشمن ہو جائیں گے، تمہاری زندگی تلخ ہو جائے گی۔ اس طرح مسلمانوں کی عیب جوئی، مسلمانوں کی برائی تلاش کرنا، یہ بھی بڑا عیب ہے۔ بے ضرورت کسی مسلمان کے عیب تلاش کرنا لا حاصل ہی نہیں

بلکہ سخت مضر ہے جب اس کا اظہار ہوتا ہے تو عیب جو سخت ذلیل ہوتا ہے اور جس کی عیب جوئی کرتا ہے وہ اس کا دشمن ہو جاتا ہے، اس کے دل سے اس کی وقعت نکل جاتی ہے۔ وہ بھی اس کی تذلیل و تحقیر کے لیے تیار ہو جاتا ہے، جس کے نتائج دونوں کے لیے مضر ہوتے ہیں۔ اس لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اس برائی سے روکا اور منع فرمایا کہ مسلمانو! مسلمانوں کے عیب تلاش نہ کرو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو تمہارے ہی لیے سخت مضر ہوگا، جس کا انجام تمہاری عزت ریزی ہے، تمہارے دوست دشمن ہو جائیں گے آپس میں نفاق و شقاق پیدا ہوگا، تمہاری طاقت ختم ہو جائے گی، لہذا اس برائی سے باز آؤ اور مسلمانوں کی عیب جوئی نہ کرو، اگر بغیر تلاش کے کسی کے عیب پر مطلع ہو جاؤ تو سلامت روی کے ساتھ اس کی فہمائش کرو اور اس کو اس عیب سے روکنے کی سعی کرو، یہ اسلامی ہمدردی ہے۔

## اتحاد یا نفاق؟

اسلام نے مسلمانوں کے باہمی اتفاق و اتحاد کو قوم و ملت کے عروج و ارتقاء کے لیے انتہائی ضروری قرار دیا ہے۔ نفاق و شقاق اور باہمی اختلاف و تشدد کو سخت مضر اور انتہائی نقصان فرمایا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ جب کبھی مسلمانوں میں کشیدگی اور لڑائی بھگڑا ہو تو فوراً اس کے دفع کرنے کی پوری سعی کی جائے اور ان کوشش کرنے والوں کے لیے بڑے بڑے انعامات و اجر قرار دیے ہیں۔

حدیث: عن ابي الدرداء قال  
قال رسول الله صلى الله عليه  
وسلم الا اخبركم بافضل  
من درجة الصيام و  
الصدقة والصلوة قال  
الودرداء قلنا بئى قال  
اصلاح ذات البين وفساد  
ذات البين هي الحالقة۔  
(مشکوٰۃ شریف)

(ترجمہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تم کو ایسے عمل کی خبر نہ دوں جس کا درجہ روزہ، صدقہ، نماز سب سے زیادہ بڑا ہے۔ حضرت ابوذر نے کہا کہ ہم سب صحابہ نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ خبر دیجئے ایسے عمل کی جو ان سب مذکورہ عبادتوں سے افضل ہے۔ حضور نے فرمایا کہ آپس کے بگڑے ہوئے حالات کی درستی اور فساد۔

ذات البین ہلاکت ہے۔

اس حدیث میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسلمانوں کی باہمی کشیدگی و مخالفت دفع کرنے، آپس میں صلح کرادینے لڑائی بجھکا دینے کے میل و محبت کرادینے کو تمام نفل عبادتوں سے افضل فرمایا، وہ عبادت بدنی ہو یا مالی، ہر عبادت سے یہ افضل ہے، نماز ہو کہ روزہ، صدقہ ہو یا خیرات، کوئی بھی نفل عبادت ہو، ہر عبادت سے افضل مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق قائم کرنا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ باہمی کشیدگی، آپس کی مخالفت اور باہمی جنگ و جدال ایسے تقائس ہیں جن کا انجام مسلمانوں کی رسوائی، پامالی اور حد درجہ بے اطمینانی ہے اس سے اطمینان قلب نہصت ہو جاتا ہے، پریشانی لاسخی ہوتی ہے، رسوائی اور ہوا خیزی ہوتی ہے اور اصلاح ذات البین سے یہ سب خرابیاں دور ہو جاتی ہیں، اس لیے اصلاح ذات البین کا درجہ تمام نفل عبادتوں سے بڑھ کر ہے، کیوں کہ بارگاہ الہی میں مسلمانوں کی عزت، مسلمانوں کا اطمینان اور مسلمانوں کی سر بلندیاں بڑی چیز ہیں اور یہ آپس کی مضالحت اور اتفاق اتحاد ہی سے حاصل ہوتی ہے، اس لیے اس کا بڑا درجہ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ذات البین بغض و عناد، باہمی جنگ و جدال جو ہلاکت ہے اور اصلاح ذات البین ان خرابیوں کو دفع کرنا ہے۔ مثلاً بغض و عناد کو محبت و مودت سے تبدیل کرنا، جنگ و جدال کو صلح و دوستی سے بدل دینا، اصلاح ذات البین ہے۔ گویا اصلاح ذات البین مسلمانوں کو کامیاب زندگی دینا ہے اور فساد ذات البین موت ہے۔ اسی لیے ارشاد فرمایا:

”فساد ذات البین ہی الحالقة“

(فساد ذات البین ہلاکت ہے)

یعنی بغض و عناد اور جنگ و جدال مسلمانوں کے لیے ہلاکت ہے ذلت و رسوائی ہے، اس لیے ان کی اصلاح، اس کو دفع کرنا عند اللہ

بڑا اجر و ثواب ہے اور اتنی بڑی عبادت ہے کہ نفل نماز، صدقہ، خیرات اور نفل روزہ سے افضل ہے۔ لہذا مسلمان اس کی طرف متوجہ ہوں اور باہمی مناقشت و مخالفت، بغض و عناد، اور عداوت و دشمنی کو جلد از جلد دور کر کے آپس میں میل و محبت، اتفاق و اتحاد قائم کریں، دنیا و آخرت میں سر بلند و سرفراز ہوں۔

## اعمالِ صالحہ

دوست آں دائم کہ گیرد دست دوست

در پریشان حالی و در مساندگی

بلاشبہ دوست وہی ہے جو پریشانی، عاجزی، ناداری اور محتاجی کے وقت کام آئے

ضرورت پر کام آئے۔ جیسا کہ کسی نے خوب کہا ہے۔

اپنا وہی ہے، وقت پر جو کام آگیا

وہی اپنا خیر خواہ اور سچا ہمدرد ہے جو کسمپرسی کے وقت اپنا ساتھ دے، جب کوئی

پرسان حال نہ ہو، یہ مونس و غم خوار بنے، وہی دوست ہے، وہی اپنا ہے۔ سچے دوست

کا یہی معیار ہے، یہی کسوٹی ہے۔

ذیوی زندگی بہت ہی قلیل اور جلد ختم ہونے والی ہے، اس لیے اس کی ضرورتیں

بھی قلیل اور ختم ہونے والی ہیں۔ حیاتِ اخروی ابدی ہے، ہمیشہ کی زندگی ہے اس کی

ضرورت بھی شدید ہے، وہاں جو کام آئے وہ بڑا ہی خیر خواہ اور بہت ہی قابلِ قدر ہے

یاد رکھو! وہاں کام آنے والا تمہارا نیک عمل ہے، وہی ساتھ جانے والا اور ساتھ دینے والا ہے

ترجمہ، حضرت انس رضی اللہ عنہ

مروی ہے کہا، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے، مردہ کے ساتھ تین چیزیں

ہوتی ہیں۔ دولت آتی ہیں اور ایک

حدیث، عن انس قال قال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

یتبع للمیت ثلثہ فی رجوع

اشنان و یبقی معہ واحد

یتبعہ اہلہ و مالہ و عملہ  
 فیرجع اہلہ و مالہ  
 ویسقی عملہ -  
 (بخاری)

اس کے ساتھ باقی ہوتی ہے۔ ساتھ  
 چلتے ہیں اس کے رشتہ دار، اس کا  
 مال اور اس کا عمل۔ رشتہ دار اور مال  
 واپس آجاتے ہیں اور عمل اس کے ساتھ  
 باقی رہتا ہے۔

انسان جب دنیا سے جاتا ہے تو اس کے ساتھ جانے والوں میں اس کے اہل و عیال  
 عزیز و اقارب اور اس کا مال و غلام، اور اس کا عمل ہوتا ہے۔ نجویش و اقارب، مال و غلام  
 قبر تک جاتے ہیں اور دفن کے بعد واپس آجاتے ہیں۔ قبر میں اس کے ساتھ اس کا عمل جاتا  
 ہے اور وہی کام آتا ہے۔ اس تیرہ و تار یک کو ٹھہری میں نہ کوئی مونس ہے نہ غم خوار، نہ عزیز  
 ہے نہ رشتہ دار، سبھی ساتھ چھوڑ کر منہ موڑ کر چلے گئے، اپنے ہاتھوں سے دفن کر گئے، اکیلا  
 چھوڑ گئے۔ اب قبر ہے اور یہ صاحب قبر ہے۔

تنہائی میں آہ کون ہوتے گا ایس  
 ہم ہوں گے اور قبر کا کونا ہو گا

کوئی پرسان حال نہیں، بڑے بڑے گھرے دوست تھے، جان نثاری، فداکاری کا دم  
 بھرتے تھے۔ سب رحمت ہو گئے، قریبی رشتہ دار تھے، جن کی دلجوئی کے لیے بڑی بڑی تکلیفیں  
 بھیلیں، سختیاں اٹھائیں اور مصیبتیں برداشت کیں، وہ سب علیحدہ ہو گئے اور اکیلا چھوڑ کر چلے  
 گئے، ایسی کمپرسی کے عالم میں ساتھ رہنے والا اور ساتھ دینے والا صرف اس کا نیک عمل ہے۔  
 وہ اس کے ساتھ ہے، وہی اس کے کام آنے والا ہے۔

پہنچا کے لمحہ تک پھر آتے سب لوگ  
 ہمراہ اگر گئے تو اعمال گئے!

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اے غافل انسان! تجھے اپنا کردار درست کرنا چاہیے۔

نیک عمل ہی تیرے ساتھ جاتے گا تیرا ساتھ دے گا تیرے کام آتے گا۔ تو اپنے عزیزوں قریبی  
 رشتہ داروں، دوستوں کی خوشنودی، رضا جوئی میں منہمک ہے، مال و دولت کی تحصیل میں سرگرم  
 ہے۔ ان کو اپنا مونس و غمخوار اور خیر خواہ سمجھا ہے، یہ تیری نادانی ہے، غفلت ہے۔ تیرا خیر خواہ  
 اور مونس غمخوار تیرا نیک عمل ہے، یہ وہاں کام آتے گا جہاں تیرا کوئی نہ ہو گا تو قبر میں اکیلا ہو  
 گا، تنہا ہو گا، بڑے بڑے گھرے دوست اور مخلص خیر خواہ، قریبی رشتہ دار سب علیحدہ ہو جائیں  
 گے اور اپنے ہاتھوں سے تجھے ہزاروں من مٹی کے اندر دفن کر کے چلے آئیں گے، تیری اس  
 تاریک قبر میں اگر روشنی ہے تو تیرا نیک عمل، لہذا تو اپنے مخلص دوستوں کو پہچان اور اس کی  
 قدر کر، زندگی غنیمت جان، تمام بد کرداریوں سے توبہ کر اعمال صالحہ کی طرف متوجہ ہو، توشہ  
 آخرت جمع کر، یہی تیرے کام آتے گا۔

## رشتہ انخوت کا تقاضا

مرد ہو تو کسی کے کام آؤ  
ورنہ کھاؤ پیو چلے جاؤ!

انسان کو انس لازم ہے، وہ کیا انسان ہے جس کے دل میں دوسروں کی ہمدردی نہ ہو۔ صرف اپنی ضرورتیں پوری کر لینا انسانیت نہیں، انسان وہی ہے جس کے دل میں دوسروں کی ہمدردی اور غمخواری ہو، اس لیے اسلام کا زیری اصول مسلمانوں میں باہمی اتحاد و اتفاق ہے آپس میں ایک دوسرے کی غمخواری و ہمدردی ہے۔ امیر کو غریب کی، مالدار کو نادار کی ہمدردی امداد و اعانت نہایت ہی مستحکم اور بڑا ہی زیری اصول ہے۔ جب کبھی غریب و مساکین کو حاجت پیش آئے تو فوراً مسلمان ان کو سہارا دیں اور اپنی طاقت بھراں کو قوت پہنچا کہ ان کی ضرورت پورا کریں۔ ایسا نہیں کہ بڑے بڑے رؤساء، امراء اور بڑے بڑے دولت مندوں ہی کو یہ حکم ہے بلکہ ہر مسلمان کے لیے دوسروں کی غمخواری اور اپنے مقدور بھر ہمدردی لازم ہے۔

حدیث: عن ابی بردہ قال	(ترجمہ) حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ	سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا، فرمایا
وسلم ان الاشعریین اذا	نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے، اشعریں جب
ارموا فی الفزوا وقل طعام	غزوه میں بے توشہ ہو جائیں یا مدینہ میں
عیالہم بالمدينة جمعوا	ان کے اہل و عیال کا کھانا کم ہو جائے
ماکان عندہم فی ثوب	تو جو ان کے پاس ہو ایک کپڑے میں

واحد ثم اقتسموا بينهم  
 في اثناء واحد بالسوية ففهم  
 منى وانا منهم (بخاری شریف)  
 جمع کریں۔ پھر آپس میں برابر  
 تقسیم کریں، تو وہ مجھ سے ہیں اور  
 میں ان سے ہوں۔

سفر اور بے وطنی میں جب ایسی صورت پیش آجائے کہ کھانے پینے کا سامان ختم ہو رہا ہو، کسی کے پاس ہے کسی کے پاس نہیں، کسی کے پاس کم ہے، کسی کے پاس زیادہ ہے تو سب اپنا اپنا سامان لاکر یکجا کر لیں اور پھر آپس میں برابر تقسیم کر لیں۔ اسی طرح ان حضرات کے لئے بھی حکم ہے جو شہر میں رہتے ہوں اور عسرت و فلاکت کی صورت پیدا ہو جائے کہ بعض کے پاس ہے بعض کے پاس نہیں، کسی کے پاس کم ہے، کسی کے پاس زیادہ ہے تو سب مسلمان اپنا اپنا سامان ملا کر یکجا کر لیں اور آپس میں برابر تقسیم کر لیں۔ ایسا نہیں کہ جس کے پاس کھانا ہے وہ کھائے اور جس کے پاس نہیں وہ بھوکا رہے، مال دار کھائیں اور نادار منہ تنگیں، اسلامی غیرت اس کو گوارا نہیں کرتی۔ اس لئے اللہ کے حبیب سید عالم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سفر ہو یا حضر، آبادی ہو یا ویرانہ، جہاں ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ مسلمان نادار ہو جائیں اور ان کے پاس کھانا نہ رہے، تو جن لوگوں کے پاس جو کچھ ہو وہ سب کو ملا کر یکجا کر لیں اور آپس میں برابر تقسیم کر لیں۔ اس لئے کہ وہ سب آپس میں ایک ہیں۔ اسلامی اخوت ان کو یہی سبق دیتی ہے، رشتہ اخوت کا یہی مقتضی ہے، اسلامی مساوات یہی چاہتی ہے۔

فرمایا ایسا کرنے والے مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں یعنی وہ مجھ سے قریب تر ہیں اور میں ان سے بہت نزدیک ہوں۔ یہ وہ انعام ہے اور آنا بڑا احسان ہے جس پر قربان ہو جانا چاہیے۔ اللہ کے حبیب اس کو اپنا قریبی بنا رہے ہیں، خود اس سے قریب تر ہو رہے ہیں یعنی دامن رحمت میں چھپا رہے ہیں، کالی کالی میں پناہ دے رہے ہیں، قریب مصطفیٰ جس کو نصیب ہو اس خوش نصیب کا کیا کہنے جس کو یہ دولت ملی اس کو سب کچھ مل گیا۔ وہ کون سی دولت

ہے، کون سی نعمت ہے جو باقی رہی، داریں کی نعمتیں دامن مصطفیٰ سے وابستہ ہیں، کالی کھلی میں جسے پناہ ملی اسے اور کیا چاہیے، دامن مصطفیٰ میں جو پھپ گیا وہ کبھی زحمت نہیں اٹھائے گا۔ خلق مصطفیٰ لہو و عطا ہے، رحم و کرم ہے، لہذا ایسے لوگ مقبول بارگاہ الہی ہیں مورد انعام ربانی ہے، مولائے کریم ان کے کھانے میں بے شمار برکتیں عطا فرماتے گا۔ وہ قادر مطلق اس تھوڑے تھوڑے کو بہت کر دے گا۔ ان غریبہ اور ناداروں کا کام بھی چلے گا اور مال داروں کو کوئی تکلیف بھی نہ ہوگی بہر حال اس مختصر سے فرمان میں بڑی گہری ہدایت ہے اور اس اصول کے تحت ہر مسلمان کو ایک دوسرے سے ہمدردی و غم خواری کی تعلیم ہے۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایک دوسرے مسلمان کا خیال رکھیں، غریبہ و مساکین کی اعانت کریں، ناداروں کی امداد کریں، بے سہاروں کو سہارا دیں، یہی اسلامی تعلیم ہے۔۔۔ یہی صراط مستقیم ہے۔

## سنتِ ابراہیم (علیہ السلام)

الہی عظمتوں اور خدائی رفعتوں کے سامنے سرنیاڑ بھگانا ہی شانِ بندگی ہے۔ اس مالک و مولیٰ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہِ عالی میں اپنی نیاز مندی اور اپنی قربانی پیش کرنا ہی سرمایہٴ عبودیت ہے۔ عباد و معبود کا رشتہ و علاقہ وہ ہے کہ جان و مال، عزت و آبرو ہر چیز قربان کی جاسکتی ہے۔ معبودِ حقیقی کی رضا و خوشنودی کے لیے قربانی تباہ کی سرفرازی و سر بلندی ہے۔ قربانی کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ بال بال نیکی اور خون کے ہر قطرہ پر ثواب ہے۔

حدیث: عن زید ابن ارقم	ترجمہ: زید ابن ارقم رضی اللہ عنہ
قال قال اصحاب رسول الله صلى	سے روایت ہے صحابہ نے عرض
الله عليه وسلم ما هذه الا	کیا، یا رسول اللہ! یہ قربانیاں کیا
ضاحی قال سنة ابيكم	ہیں؟ حضور نے فرمایا، تمہارے
ابراهيم عليه السلام قالوا	باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت
فما لنا فيها يا رسول الله قال	ہے، عرض کیا، اس میں ہمارا
بكل شعرة حسنة قالوا	کیا فائدہ ہے؟ فرمایا ہر بال
فالصوف يا رسول الله قال	کے بدلے نیکی ہے، عرض کیا
بكل شعرة من الصوف	اون میں کیا ہے؟ فرمایا، اون میں
حسنة - رواه احمد وابن ماجه	بھی ہر بال کے بدلے نیکی ہے۔

(مشکوٰۃ شریف)

اللہ اکبر! قربانی کی مقبولیت بارگاہ الہی میں کس بلند مرتبہ پر ہے کہ بال بال پر نیکی ہے۔ بکری کے جسم پر جتنے بال ہیں اسی کو شمار میں لانا مشکل ہے، چہ جائیکہ بھیڑ کی اون کا شمار۔ بال بال پر نیکی اجر ہے۔ یوں تو ہر عمل باعث اجر و ثواب ہے۔ تمام اعمال صالحہ پر اجر و ثواب کا وعدہ ہے مگر قربانی میں اجر و ثواب کی زالی ہی شان ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قربانی اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک پیاری ادا ہے۔ ان کے رب کو بھاگتی اور پسند آگتی ہے۔ مناکا وادی میں رب جلیل کی رضا جوئی کے لیے حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کا تخت جگر، نور نظر حضرت اسمعیل علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا، یہ وہ ادا ہے کہ زمین و آسمان کی وسعتیں اس کی رفعت و عظمت سے تنگ ہیں، اور مخلوقات کی زبانیں اس کی تعریف و توصیف سے قاصر ہیں۔ اللہ اکبر! کتنی تمناؤں اور آرزوں کے بعد بڑھاپے میں یہ فرزند عطا ہوتے ہیں جو بلاشبہ اپنی جان سے بدجہا عزیز ہیں، کائنات کی ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں، مگر واہ رے حضرت خلیل، قربان آپ کی اس ادا کے کہ اپنے رب کا حکم پاتے ہی اس کی رضا و خوشنودی کے لیے اس فرزند و لبند کو قربان کر دیا، خلعت اس کو کھتے ہیں، خلیل ایسے ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ سے دوستی اسی کا نام ہے۔ حکم الہی پہنچا کہ اپنے فرزند اسمعیل کو ہماری راہ میں قربان کر دو، فوراً بلا پس و پیش بغیر تامل اپنے ہاتھ سے اپنے نور نظر، تخت جگر کو قربان کر دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو اپنے فرزند اسمعیل علیہ السلام ہی کو ذبح کیا تھا، انہیں قربان کیا تھا، یہ تو رب جلیل کا کرم ہے، اس کا احسان ہے کہ بجائے حضرت اسمعیل کے دنبہ ذبح ہوا۔

اس تبدیلی میں یہ بھی حکمت تھی کہ سنت ابراہیم تا قیامت جاری رکھنا ہے۔ اس لیے سہل فرمادی کہ ہر فرماں بردار باسانی بارگاہ الہی میں قربانی پیش کر سکے۔ فرزند کو ذبح کرنا تو حضرت خلیل کا جذبہ عبودیت تھا۔ ہر شخص کا یہ حوصلہ کہاں؟ اس لیے حضرت اسمعیل ذبح اللہ کے بجائے دنبہ ذبح کرادیا تاکہ حضرت خلیل کی سنت قیامت تک جاری رہے اور

مسلمان تاقیامت اپنے رب کی بارگاہ میں اپنی اپنی قربانیاں پیش کر کے اجر و ثواب کے ذخیرے جمع کرتے رہیں۔ اسی لئے حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”سنة ابيكم ابراهيم“

(یہ قربانی تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے)  
سنت ابراہیمی ہی ہونے کی حیثیت سے قربانی کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ  
بال بال پر نیکی ہے اور اس کے خون کے ہر قطرہ پر ثواب ہے۔

بڑے خوش نصیب ہیں وہ مسلمان جو اپنے جذبہ عقیدت اور جوش محبت میں اس سنت  
کریمہ پر عمل کر کے بارگاہ الہی میں قربانی پیش کرتے ہیں، مولائے کریم توفیق بخشنے، آمین۔

## گناہِ صغیرہ

بلاشبہ خداوند قدوس کی نافرمانی بہت ہی بڑی چیز ہے۔ سببِ ذلت اور باعثِ ہلاکت ہے۔ انسانی کوپستی میں لے جانے والی اور اس کے سر کو نیچا کرنے والی اس کی نافرمانی ہی ہے۔ نافرمانی خواہ چھوٹی ہو یا بڑی، گناہِ صغیرہ ہو یا کبیرہ، باعثِ ذلت اور سببِ ہلاکت ہے۔ اسی لیے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہر چھوٹے بڑے گناہ سے بچتے اور چھوٹے چھوٹے گناہوں کو بھی باعثِ ہلاکت ہی جانتے تھے اور ان سے پرہیز کرتے تھے۔

حدیث: عن انس قال انکم	ترجمہ، حضرت انس رضی اللہ عنہ
لتعلمون اعمالاً ہی اذق	سے مروی ہے فرمایا، لوگو! تم بہت
فی اعینکم من الشرکنا	سے ایسے کام کرتے ہو جن کو
نعرھا علی عهد رسول	اپنی نظر میں بال سے زیادہ باریک
اللہ علی اللہ علیہ وسلم	جانتے ہو، ہم ان کاموں کو رسول
من الموبقات یعنی المہلکات	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں
(مشکوٰۃ شریف)	سببِ ہلاکت جانتے تھے۔

ناظرین غور فرمائیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ کے مخاطب خیر القرون میں دور کے دور کے مسلمان ہیں، جن کو تابعین کہتے ہیں۔ وہ حضرات عموماً گناہوں سے بچتے تھے، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے پرہیز کرتے تھے، گناہِ کبیرہ سے اجتناب کرتے تھے، لہذا یہ ہرگز نہیں کہا جاسکتا کہ وہ حضرات گناہِ کبیرہ کے اس درجہ مرتکب تھے کہ گناہِ کبیرہ ان کی نظر میں اس

درجہ ہلکا تھا کہ اس کو بال سے زیادہ باریک جانتے تھے۔

لہذا اس حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ جن اعمال کا تذکرہ فرما رہے ہیں . وہ تابعین کے وہی اعمال ہیں جو گناہ صغیرہ ہو سکتے ہیں ، چونکہ صغیرہ تھے ، پھوٹے گناہ تھے اس لیے بعض مسلمانوں کی نظر میں ہلکے معلوم ہوتے تھے ، مگر عہد رسالت کے تعلیم یافتہ اور دور رسالت کے پروردہ و تربیت یافتہ حضرات ان ٹھٹھو پھوٹے گناہوں کو بھی مہلکات ہی جانتے تھے ، باعث ہلاکت شمار کرتے تھے ، اور حقیقت بھی یہی ہے کہ گناہ صغیرہ بھی سبب ہلاکت ہی ہے اول اس لیے کہ گناہ صغیرہ بھی معبود برحق کی نافرمانی ہے اور معبود کی نافرمانی میں بندہ بھی فلاح نہیں پاسکتا۔

دوسرے اس لیے کہ گناہ صغیرہ کا ارتکاب بھی الہی عظمتوں کے خلاف ہے کہ اس کی حکم عدولی کسی طرح بھی نہ ہو ، اس کا کوئی حکم بھی ٹالنا نہ جائے ، کسی فرمان کے خلاف ورزی بھی نہ کیا جائے۔

تیسرے اس لیے کہ گناہ صغیرہ پر دوام و ثبات صغیرہ گناہ کو کبیرہ کر دیتا ہے۔ اس پھوٹے سے گناہ کو گناہ کبیرہ کر دیتا ہے۔

چوتھے اس لیے کہ انسان جب گناہ صغیرہ کا عادی ہو جاتا ہے اور بے پروائی بنتے لگتا ہے تو وہ گناہ کبیرہ کا بھی ترکیب ہو جاتا ہے ، لہذا وہ گناہ صغیرہ جس کو ہلکا سمجھا جاتا تھا ، گناہ کبیرہ کا سبب ہو جاتا تھا اور سبب ہلاکت بن جاتا ہے۔ اسی لیے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پھوٹے گناہوں کو بھی باعث ہلاکت جانتے تھے اور ان سے دور ہی رہتے تھے۔ شامت اعمال سے کبھی کوئی گناہ صادر ہوا بھی تو لڑ جاتے اور فوراً توبہ کرتے اور اس سے پاک ہو جاتے تھے ، گناہوں سے بے پروائی نہ ہو بہت بڑا گناہ ہے۔ لہذا مسلمانوں کو آنکھ کھول کر ہوش سنبھال کر اپنے اعمال کا جائزہ لینا چاہیے۔ اپنے کردار کو سدھارنا چاہیے بد اعمالیوں سے باز آنا چاہیے۔

بد اعمالی بلاشبہ سبب ذلت اور باعث ہلاکت ہے، مسلمان اگر اپنی عزت چاہتے ہیں  
 اور دونوں جہاں کی سرپرستی و سرفرازی مقصود ہے تو جلد از جلد تمام گناہوں سے سچی توبہ  
 کر کے نہایت مقبولی کے ساتھ صراط مستقیم پر قائم ہو جائیں۔ حضرت شاہ آسی رحمۃ اللہ علیہ  
 فرماتے ہیں سے

کار امروز بفسدوا مگزارا سے آسی  
 آج ہی چاہیے اندیشہ فدا دل میں

# اضافات

راجا رشید محمود



## اجتہاد کی اہمیت

عن عبد اللہ بن عمرو  
و ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم اذا حکم  
الحاکم فاجتهد و اصاب فله  
اجران و اذا حکم فاجتهد و  
اخطأ فله اجر واحد۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو اور حضرت ابو ہریرہ  
رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ  
حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے  
فرمایا کہ جب کوئی فیصلہ کرنے والا اجتہاد  
کے ذریعے درست فیصلہ کرے تو اس  
کے لیے دو اجر ہیں اور اگر اجتہاد کے  
ذریعے فیصلے میں غلطی ہو گئی تو بھی اس کے  
لیے ایک ثواب ہے۔

اسلام دین کامل و اکمل ہے۔ دین متین انسانی زندگی کے ہر شعبے میں ہماری رہنمائی کرتا  
ہے۔ یہاں عقاید و عبادات سے لے کر سیاست و حکومت تک اور معیشت و معاشرت سے  
لے کر انصاف و عدالت تک کے لیے رہنما اصول موجود ہیں۔ یہاں اس بات کی کوئی گنجائش  
نہیں کہ عبادات تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتاتے ہوئے طریقے پر کر  
لی جاتے لیکن سیاست و حکومت کے انداز سیکھنے کے لیے کہیں اور سے دیرپوزہ گری کی  
جاتے..... یا معیشت کے لیے کسی اور ذریعہ ہاتھ پھیلاتے جائیں۔

ہر شعبہ زندگی میں پیش آمدہ حالات و واقعات کے لیے قانون اسلامی کا پہلا  
نذر قرآن مجید ہے۔

انا انزلنا الیک الكتاب بالحق لتحکم بین الناس بہا الرک النساء (۱۰۵)

”بے شک ہم نے یہ کتاب آپ پر حق کے ساتھ اتاری ہے تاکہ لوگوں کے درمیان

آپ اس طرح فیصلہ کریں، جیسے اللہ آپ کو دکھائے“

قرآن کے بعد حدیث و سنت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم شریعت اسلامی کا دوسرا

ماخذ ہے۔ مرتبے میں قرآن سے موخر ہونے کے باوصف، سنت بجائے خود ایک مستقل

مصدر قانون ہے۔

..... اور۔ اگر کوئی ایسا معاملہ آپڑے جس میں براہ راست قرآن و سنت

سے رہنمائی نہ ملتی ہو تو وہاں اجتہاد کی ضرورت پڑتی ہے۔ جو قانون اسلامی کا تیسرا ماخذ ہے۔

اجتہاد کا مادہ ۲ ج ۵ د ہے۔ لغوی طور پر اجتہاد کا معنی انتہائی کوشش کرنا ہے۔

اصطلاح میں، دین کے سرچموں سے احکام استنباط کرنے کی کوشش کو اجتہاد کہتے ہیں۔

امام شاطبی ”الموافقات“ میں فرماتے ہیں کہ، اجتہاد شرعی احکام معلوم کرنے اور

ان کی حالات پر تطبیق کی انتہائی کوشش کا نام ہے، (جلد ۲ صفحہ ۸۹)

مشکوٰۃ شریف کے ”باب العمل فی القضاء والنحو منہ“ کی مذکورہ بالا متفق علیہ

حدیث میں اسلام کے نظام عدالت و انصاف کے حوالے سے اجتہاد کی بات کی گئی ہے۔

حضور محبوب خدا علیہ التمجیۃ والثنا نے فرمایا کہ اگر فیصلہ کرنے میں اجتہاد سے کام لیا گیا اور

درست فیصلہ کیا تو فیصلہ کرنے والے کو دو ثواب ملیں گے۔ لیکن اگر اجتہاد کے نتیجے میں

درست فیصلہ نہ بھی ہو تو بھی اسے ایک ثواب مل کر رہے گا۔

مجتہد کی یہ عظمت اس لیے ہے کہ وہ قرآن و سنت کے احکام سے واقف ہے۔

جس پیش آمدہ معاملے میں اسے براہ راست قرآن و سنت سے رہنمائی حاصل نہیں ہوتی،

وہاں وہ انہی مصادر کے اصولوں کی رہنمائی میں نئے پیش آنے والے مسئلے کا حل تلاش کرتا

ہے۔ اس کی نیت نیک ہے، وہ اسلام کے رہنما اصولوں کی، حالات زمانہ پر تطبیق کی کوشش کرتا ہے..... ایسے میں اگر وہ کسی درست فیصلے پر نہ بھی پہنچے تو بھی کم از کم ایک اجر کا حق دار ضرور ہے۔

اسلام نے اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کھلا رکھا ہے اور ایک ہمہ گیر اور تمام دنیا کے لوگوں کی تاقیامت رہنمائی کرنے والے دین کی حیثیت سے، اس کے لیے ضروری بھی ہے کہ زندگی کے مختلف شعبوں، مختلف جغرافیائی اور طبعی حالات..... اور نئے نئے پیدا ہونے والے مسائل و واقعات کے پیش نظر، قرآن و سنت کی مدد سے تخریج مسائل کر کے احکام میں تطبیق پیدا کرنے کو اہم سمجھے۔ ہر زمانے میں امت مسلمہ نے اجتہاد سے کام لے کر عمل کی راہیں روشن کی ہیں..... لیکن اس دین فطرت نے ہر کس و ناکس کو اجتہاد کا حق نہیں دیا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مجتہد کے لیے پانچ خصوصیات

ضروری قرار دیتے ہیں :-

اولاً، وہ قرآن و سنت کے، احکام سے متعلق مہصوں پر گہری نظر رکھتا ہو.....  
نہوں خاص اور نہوں عام، نص مجمل اور نص مبہم کے بارے میں جانتا ہو۔ اسے نسخ اور فسوخ احکام کے بارے میں علم ہو۔

ثانیاً، احادیث کے متعلق تمام ضروری معلومات رکھتا ہو۔

ثالثاً، اسے لغوی اور نحوی دونوں اعتبار سے زبان عربی پر عبور ہو۔

رابعاً صحابہ کرام اور تابعین عظام کے اجتماعی اور اختلافی اقوال کے بارے میں خبر

رکھتا ہو۔

اور..... خالصاً، قیاس کی حقیقت اور اس کی اقسام سے واقف ہو۔

..... ان خصوصیات کا حامل عالم ہی، اس بات کا حق رکھتا ہے کہ جن مسائل

میں قرآن و سنت خاموش ہو، وہ ان میں غور و فکر کے بعد کوئی حل نکالے۔ اگر ایسا منصف



## سات اخلاقی برائیاں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں	عن ابی ہریرۃ قال قال
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
فرمایا کہ دوسروں کے متعلق بدگمانی نہ کرو	ایاکم والظن فان الظن
کیونکہ یہ سب سے جھوٹی بات ہے، اور	اکذب الحدیث ولا تحسوا
کمزوروں کی تلاش میں نہ رہا کرو، اور زندقہ	ولا تجسسوا ولا تناجسوا
انداز میں لوگوں کے عیب جاننے کی	ولا تحاسدوا ولا تباعضوا
کوشش نہ کرو اور معاملات میں زیادتی نہ کرو	ولا متدابروا وکونوا
اور کسی سے حسد نہ کرو، اور آپس میں بغض و	عباد اللہ اخوانا۔
کینہ نہ رکھو اور ایک دوسرے سے منہ	
نہ پھیرو۔ اللہ کے بندو! آپس میں بھائی	
بھائی بن کر رہو۔	

حضور فخر موجودات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس حدیث پاک میں سات ایسی معاشرتی برائیاں کی نشاندہی فرمائی ہے، جو جذبہ اتوتِ اسلامی کے سراسر منافی ہیں۔ جن کے باعث ایک دوسرے کے بارے میں دلوں میں عداوت و منافرت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔

قرآن پاک نے بدگمانیوں کے ایک درجے کو ”گناہ“ قرار دیا ہے:

”ان بعض الظن اثم“

بے شک بعض گمان گناہ ہوتے ہیں

سہ کارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اکذب الحدیث فرمایا ہے، سب سے جھوٹی بات اور اللہ کریم نے مسلمانوں کو جھوٹ سے اجتناب کی تلقین بھی کی ہے اور جھوٹوں پر لعنت کا اعلان بھی فرمایا ہے۔ اگر ہم آقا و مولا علیہ التحیۃ والثناء کے نام لیوا ہیں تو دروغ گوئی سے نفرت اور صداقت شعاری ہمارا طرہ امتیاز ہونا چاہیے۔ مگر افسوس ناک بات یہ ہے کہ ہم عام طور پر صدق سے مجتنب ہیں اور جھوٹ کے دہنی۔ پھر عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ کسی کے خلاف جھوٹی بات کہنا برا ہے، دل میں جھوٹا گمان کرنے کو برا نہیں سمجھا جاتا۔ لیکن رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس حدیث پاک میں بدگمانی کے شر سے محفوظ رہنے کا حکم دیا ہے۔ اسے اکذب الحدیث کہا ہے۔ ہمارے بیشتر مفروضوں کی بنیاد بدگمانی ہوتی ہے۔ ہم جس کے بارے میں بدگمانی کرتے ہیں اس شخص کی طرف سے بھی رد عمل ہوتا ہے۔ نتیجہً، مسلمان جو آپس میں بھائی بھائی قرار دیتے گئے ہیں دشمن بن کر رہ جاتے ہیں اور ہم زندگی کے بیشتر شعبوں میں اس معاشرتی برائی سے نانا جوڑ کر ہادی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی خلاف ورزی کے مرکب ہوتے ہیں، اور معاشرے میں مناسقت کی تخم ریزی کرتے ہیں۔

حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے جن باتوں کی مناسبت کی ہے، ان میں بدگمانی کے بعد کسی کی کمزوریوں کی ٹوہ میں رہنا ہے۔ پھر حضور نے فرمایا کہ رازدارانہ طریقے سے کسی کے عیوب کی تلاش کرنا بھی ناپسندیدہ فعل ہے۔ اسی طرح ایک دوسرے پر بڑھنے کی بے جا ہوس بھی ممنوع ہے۔ حسد کرنا بھی غلط ہے اور سینوں میں بغض و کینہ کی پرورش کرنا اور ایک دوسرے سے منہ پھیر لینا بھی خدا اور رسول کو پسند نہیں ہے۔

دوسروں کی کمزوریوں کی تلاش میں رہنے کے باعث بہت سے معاشرتی مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ لوگوں کی کمزوریوں کی ٹوہ میں رہنے کے بجائے حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کی پردہ پوشی کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے کہ جو اس ارشاد پر عمل کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے

دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا (بخاری شریف)

رازدارانہ طور پر لوگوں کے گناہوں پر مطلع ہونے کی کوشش بھی منفی سوچ کا نتیجہ ہوتا ہے اور اسلام نے ہمیں مثبت طرز فکر کی راہ دکھائی ہے۔ ایسی جاسوسی کرنے والا جب کسی کے گناہ کو جان لے گا تو اگر اس گناہ میں دلکشی و دلفریبی پالی تو خود بھی اس کا مرتکب ہو سکتا ہے۔ بصورت دیگر اس کی پردہ دری کر کے یا غیبت کے ذریعے گناہ گار ہوگا اور معاشرے میں فروغِ عییاں کا سبب بن جائے گا۔ معاملات میں زیادتی یا ایک دوسرے پر بڑھنے کی بے جا ہونے نے عہدِ حاضر میں جس طرح حصولِ زر کے لئے مسابقت کا ایک سماں پیدا کر دیا ہے، اس سے پورا معاشرہ مادی جھنجھٹوں کا زندانی بن کر رہ گیا ہے۔

حسد کے بارے میں تو حضور نے ایک بار فرما دیا کہ جو حسد کرے، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ پھر کیا ان کے کلمہ گوئوں کا یہ فرض نہیں کہ وہ غور کریں کہ ان میں سے کس کس پر دن بھر میں اس مرض کے کتنے حملے ہوتے ہیں؟ سرکار کا ارشاد ہے کہ شبِ برأت کو اللہ تعالیٰ سب کو بخش دیتا ہے، سوائے کینہ پرور شخص کے، پھر ہم اپنی بخشش کی راہ میں رکاوٹیں تو نہیں پیدا کر رہے؟

اصل میں ہماری ملی زندگی کا انحصار اس پر ہے کہ احتسابِ نفس کی اہمیت کو سمجھنے اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھیں کہ ہم کتنے اخلاقی برائیوں میں پھنس کر رہ گئے ہیں..... اور جان لیں کہ اگر ہم بدگمانی کو، دوسروں کی کمزوریوں کی تلاش کو، عیب جوئی کو، بغض و حسد اور معاملات میں بے جا ہوس اور زیادتی کو شعار کیے ہونے میں، اور اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ محبت و انصاف کے بجائے دوری اور منافرت کی راہ پر گامزن ہیں، تو جہاں ہم ان معاشرتی برائیوں کو اپنانے کے نتیجے میں دنیا میں باعزت زندگی گزارنے کے قابل نہیں، وہاں محبوبِ خدا علیہ التحیۃ والثناء کے احکام کی نسلانِ درزی اور ستر بان کے مرتکب ہو کر، اپنی عاقبت بھی خراب کر رہے ہیں۔

دشکریہ ریڈیو پاکستان، لاہور

## غیبت کی ممانعت

عن ابی ہریرۃ ان  
مرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ  
وسلم قال اتدرون ما الغیبة  
قالوا اللہ ورسولہ اعلم  
قال ذکرتک انک بما یکرہ  
قیل افرایت ان کان فی الخی  
ما اقول قال ان کان  
فیہ ما تقول فقد  
اغتیبتہ و ان لم یکن  
فیہ ما تقول فقد  
بہتہ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں  
کہ حضور رسول انام علیہ الصلوٰۃ والسلام  
نے فرمایا، جانتے ہو غیبت کیا ہے؟ صحابہ  
نے عرض کیا، اللہ ورسول بہتر جانتے  
ہیں، فرمایا، غیبت یہ ہے کہ تو اپنے  
بھائی کے متعلق ایسی بات کہے جو اسے  
بری لگے۔ کسی نے عرض کیا کہ اگر میرے  
بھائی میں وہ برائی موجود ہو جس کا ذکر  
کیا جائے تو کیا یہ بھی غیبت کہلائے گی؟  
فرمایا، کہ جو برائی اس میں موجود ہے اسی  
کا ذکر تو غیبت ہے۔ اگر ایسی بات کہو  
جو اس میں موجود نہ ہو تو یہ بہتان ہے۔

(مسلم شریف)

سورۃ الحجرات میں خداوند ذوالجلال جل شانہ نے فرمایا:

ولا یفتب بعضکم بعضاً ایحب احدکم ان یماکل لحم  
الغنیہ۔

اور تم میں سے کوئی کسی دوسرے کی غیبت نہ کرے۔ کیا تم میں کوئی بھی اپنے مَرُوہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے غیبت سے مسلمانوں کو منع فرمایا اور اس فعل کو مَرُوہ بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف قرار دیا۔ سرورِ ہر دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے فہمِ صحبت سے مستمع ہونے والے اس جرم کی سختی سے تو آگاہ ہو گئے اور سمجھ لیا کہ یہ کام نہیں کرنا ہے لیکن معالم کائنات، عالم ماکان و مایکون صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر کہ بعض اذہان غیبت کے معنی کے بارے میں صاف نہیں ہیں، سب لوگوں پر واضح کرنے کے لیے اپنے نام لیواؤں سے سوال کیا کہ غیبت کے بارے میں جانتے ہو کہ یہ کیا ہے؟ ایسے کسی بھی سوال کے جواب میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، ہمیشہ ”اللہ ورسولہ اعلم“ کہا کرتے تھے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے اور اس کی عطا سے اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم، کائناتِ عالم کی ہر شے کا علم رکھتے ہیں۔

جب آقا حضور کے عشاق نے اس حقیقت کا اعلان فرمادیا تو حضور نے اس فعل کی دُعا فرمادی اور مسلم شریف کی ممولہ بالا حدیث کے مطابق سرکار نے بتا دیا کہ کسی شخص میں پانی پانی جانے والی کسی خرابی کا ذکر غیبت ہے..... اور اگر کسی ایسی برائی کا ذکر کیا جائے جو شخص مذکورہ میں نہ پائی جاتی ہو تو یہ بہتان ہے۔

اب، آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم امتیوں کے لیے ضرور ہی ہے کہ اپنے شب و روز کا احتساب کریں کہ ہم دن بھر میں اپنے مردہ بھائیوں کا گوشت کھانے کا یہ عمل کتنی بار کرتے ہیں اور جس کام سے ہمیں خدا و رسول نے منع کیا ہے، کبھی اس کے بارے میں سوچنے کا تکلف بھی کرتے ہیں یا نہیں؟ ہمارے معاشرے کا ایک ایک فرد الا ماشاء اللہ، دن بھر میں... سیکڑوں، ہزاروں مرتبہ اس جرم کا ارتکاب کرتا ہے۔ ہم میں سے جو لوگ بظاہر نیک لگتے ہیں، ان میں سے بھی کتنے ہیں، جن کی زبانیں اس ناسور سے محفوظ ہیں؟

## تجارت کے اصول

عن عبید بن رفاعۃ  
عن ابیہ عن النبی صلی اللہ  
تعالیٰ علیہ وسلم قال التجار  
یحشرون یوم القیامۃ  
فجبارا الامن اتقی وبترا  
صدق۔

حضرت عبید بن رفاعہ رضی اللہ عنہ اپنے  
والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ  
والسلیم نے فرمایا کہ قیامت کے دن تاجروں  
کا حشر فاجروں کے ساتھ ہوگا، بشرطیکہ وہ خدا  
تعالیٰ سے ڈرنے والے ہوں، جھوٹی قسم نہ  
کھائیں اور سچ کو شعار کر لیں۔

(ترمذی ابن ماجہ)

نبی نذیر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں تجارت کے عمل میں خدا سے نہ ڈرنے  
والوں، جھوٹی قسمیں کھا کھا کر اور جھوٹ بول بول کر کاروبار کرنے والوں کو خدا کے عذاب سے  
ڈرایا ہے۔ خداوند تعالیٰ نے کمائی کے ذرائع کے جائز اور حلال ہونے پر زور دیا ہے اور  
حصولِ معاش کی آزادانہ سعی میں حلال و حرام کی حدیں متعین کر دی ہیں۔ اسلام نے کمائی کے  
ایسے تمام ذرائع کو ناجائز قرار دیا ہے جن سے خدا کے احکام کی خلاف ورزی ہوتی ہو۔  
..... اور دوسرے افراد کو یا اجتماعی حیثیت میں پوری ملت، ملک یا معاشرے کو اخلاقی یا  
مادی نقصان پہنچ سکتا ہو..... یا ایسے تجارتی طریقے جن میں کسی ایک فریق کا یقینی طور  
پر فائدہ ہو اور دوسرے فریق کا فائدہ مشتبہ اور مشکوک ہو۔ اتفاق سے، راتوں رات  
امیر بن جانے کے طریقوں، سٹہ، لارٹی، مہمے وغیرہ سے دولت حاصل کرنا اور دھوکے

بھگڑے اور قیاس کے سود سے..... اور انصاف اور مفاد عامہ کے خلاف ذرائع  
 حرام قرار دیتے گئے ہیں۔ چنانچہ سود، رشوت، جوا، چوری، سٹہ، خیانت، غصب، عین  
 تاپ تول میں کمی، قحبہ گری، شراب اور دوسری منشیات و مسکرات کی صنعت و تجارت،  
 ناجائز منافع خوری، لوٹ مار، مفت خوری، پیشہ ورانہ گداگری اور ظلم و استحصال کے ذرائع  
 سے حاصل ہونے والی دولت کو اسلام ناجائز اور حرام قرار دیتا ہے۔ نیز احتکار اور ایسی  
 اجارہ داریوں سے منع کرتا ہے جن کی وجہ سے عام لوگوں کے لیے مواقع نہ رہیں۔

اسلام نے مال کی محبت کو مذموم قرار دیا ہے اور بخل و امساک، زر پرستی، دولت  
 دنیا کی حرص و ہوس اور خوشحالی پر غر و ناز کی مذمت کی ہے۔ قرآن پاک میں ہے:-  
 ”تم لوگوں کو زیادہ سے زیادہ دولت سمیٹنے کی فکر نہ متفرق کر رکھا ہے۔ قبر میں جانے  
 تک تم اسی فکر میں منہمک رہتے ہو۔ یہ مہر گز تمہارے لیے نفع مند نہیں ہے۔ جلد

ہی تمہیں اس کا انجام معلوم ہو جائے گا، (التکاثر ۱-۳)

غرض خالق و مالک حقیقی نے تجارت کے حوالے سے مسلمانوں کو جو راہ دکھادی ہے،  
 اس سے صرف نظر کرنا عذاب الہی کو دعوت دینا ہے۔ جو تاجر خدا سے ڈرنے والے ہیں،  
 وہ احتکار و اکتنا زر کی ممانعت اور ناجائز ذرائع آمدن پر قدغن کے اسلامی اصولوں کی پیروی  
 کرتے ہیں، حدود اللہ کو پیش نظر رکھتے ہیں اور سرور کائنات، فخر موجودات علیہ الصلوٰۃ  
 والسلام کے ارشاد کے مطابق بھوٹ سے متنفر ہیں اور جھوٹی قسمیں نہیں کھاتے۔

جو لوگ کاروبار کرتے ہوئے خدا سے نہیں ڈرتے، تقویٰ کو شعار نہیں کرتے جلیب  
 منفعت کی خواہش کو رو بہ عمل لانے کے لیے جھوٹی قسموں کا سہارا لیتے ہیں اور سچ کو اور  
 بھوننا نہیں بناتے، آقا و مولا علیہ التعمیۃ و الثنا کے حکم کے مطابق ان کا حشر فاجروں کے  
 ساتھ ہوگا۔

## افواہ سازی

ان الشیطان لیتعمل  
فی صورة الرجل فیاتی القوم  
فیحدثهم بالحديث من  
الکذب فیتفرقون فیقول  
الرجل منهم سمعت رجلا عرف  
وجهه ولا ادري ماسمه  
بے شک شیطان انسان کے بھیس میں  
رو بہ عمل ہوتا ہے اور افواہیں پھیلاتا ہے  
پھر لوگ بکھر جاتے ہیں تو ان میں سے ایک  
شخص کہتا ہے کہ میں نے یہ بات ایک  
آدمی سے سنی ہے جس کا چہرہ شناسا ہے  
نام کا علم نہیں۔

(مسلم شریف)

یحدث۔

سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی زندگی کے ہر گوشے کو اپنے نورِ حکمت و دانش سے منور فرمایا ہے۔ ہمیں اپنوں میں زندگی گزارنی ہو یا بیگانوں میں، ہم شوہر کی حیثیت میں ہوں یا باپ، بیٹے یا ماں، بہن، بیٹی، کے طور پر، ہمیں کیا کرنا ہے؟ ہمارے معاملات کیسے ہونے چاہئیں؟ ہمیں کس موقع پر کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے..... اس سلسلے میں حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثناء نے رہنمائی فرمادی ہے۔ راہ حیات میں چلتے ہوئے جس جس قدم پر ڈوگمگانے یا لڑکھڑانے خدشہ ہو سکتا ہے، وہاں ثابت قدم رہنے کے اور پھسلنے سے بچ کر نکل جانے کے طریقے سمجھا دیئے ہیں۔

مسلم شریف کی مذکورہ بالا حدیث میں محبوب علام الغیوب (صلی اللہ علیہ وسلم) نے افواہیں پھیلانے کے کاروبار کی تفصیلات و جزئیات بیان فرماتے ہوئے، اسے کارِ شیطان قرار دیا ہے۔ جہاں کچھ لوگ اکٹھے ہوتے ہیں، شیطان وہاں انسان کی صورت میں در آتا ہے، اور

کوئی تھوٹی بات گھڑ کے سنا دیتا ہے۔ جب لوگ بکھر جاتے ہیں تو لوگوں کو اس کا چہرہ یاد رہتا ہے، نام معلوم نہیں رہتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق اور یہ فرمان وَمَا يَنْطَلِقُ عَنِ الْهَوَىٰ اِنَّ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ يُّوْحَىٰ کی رو سے خداوند تعالیٰ کا فرمان ہے، افواہیں گھڑنے کے عمل میں کوئی نیک مقصد پیش نظر نہیں رکھا جاتا۔ معاشرے میں خوف و ہراس اور بے اطمینانی پھیلا کر بھگڑے فساد یا لاقانونیت کی طرف مائل کرنا افواہ ساز کا واحد مقصد ہوتا ہے۔ اگر دینی پہلو سے ایسا کیا جاتا ہے تو مختلف مذاہب کے پیروؤں یا مختلف مسالک کے نام لیواؤں میں اختلافات کی خلیج کو ہوا دے کر فساد کروانا مطلوب ہوتا ہے۔ سیاسی اعتبار سے ایسا کرنے والے ملک میں لاقانونیت کی فضا پیدا کر کے اپنے حزبی، محدود مفادات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

ایک بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ جب افواہ سازی کا شیطان ہے تو اس میں مہم معاملہ ہونے والی طاقتیں محض طاغوتی ہی ہو سکتی ہیں۔ اگر کوئی فرد یا جماعت ایسے حالات پیدا کرتی ہے، جن میں افواہیں جنم لیں، افواہوں پر لوگ یقین کرنے پر مجبور ہوں، حقائق سامنے نہ آنے دیتے جائیں اور لوگوں کا جذبہ تبسّ انہیں کسی خاص موضوع پر کچھ سننے پر ہر وقت مائل رکھے اور اس طرح شیطان کو اپنا کام انجام دینے میں آسانی ہو، تو افواہوں کی فصل بونے والے سے وہ شخص بھی کم نہیں ہے جو اس مقصد کے لیے زمین تیار کرتا ہے۔

اسلام تعمیر کار راستہ ہے۔ تخریب کی تمام راہیں اس کے پاس نہیں پھٹکتیں۔ افواہیں پھیلانا تخریبی کام ہے۔ ایسا کام کسی بھی معاشرے میں تخریبی اور طاغوتی قوتیں ہی کر سکتی ہیں۔ اس لیے مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ نہ ایسے حالات پیدا ہونے دے جن میں افواہیں پھیل سکیں اور نہ افواہوں پر کان دھرے۔

اس سلسلے میں جہاں حکومت پر بڑی ذمہ داری ہوتی ہے، وہاں عوام و خواص کو بھی اپنے دلوں کی آنکھیں کھلی رکھنی چاہئیں۔ حکومت کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ افواہ ساز کی

کی صنعت کے لیے خام مواد فراہم نہ کرے، یہ فصل اگانے کے خواہش مندوں کو کھا دیتا نہ ہونے دے اور زمین پر اس انداز میں بے یقینی اور جبر کے ٹریکٹرز چلنے دے کہ بھوٹ کی تخم ریزی کی نوبت آئے اور عوام و خواص کو چاہیے کہ جس آدمی کی گفتگو سے اس قسم کی شیطنت مترشح ہو، اسے کفرِ دار تک پہنچانے کے لیے اپنی سی کریں۔

ایک گروہ کو دوسرے کے بارے میں، ایک جماعت کو دوسرے کے متعلق یا یہاں والوں کو وہاں کے بارے میں غلط خبریں پھیلانے والے اگر انسان ہوتے تو بعد میں، جب حقائق ان خبروں کو غلط ثابت کر دیتے ہیں، کسی کو ایسے انسان کا نام، پتہ یا درہ جانا، مگر عموماً ایسا نہیں ہوتا۔ لوگ یہ تو کہتے ہیں کہ کسی نے یہ بات کہی تھی مگر اس کا نام نہیں لے سکتا، اور اگر کبھی کبھار ایسا کوئی آدمی۔ اسنے آتا بھی ہے تو اس کے کردار کو بغور دیکھنے سے واضح ہو جاتا، کہ وہ شیطان صفت آدمی ہے۔ کیوں نہ ہو، میرے آقا کا کہا ہوا سچ ہے کہ ایسی حرکتیں شیطان ہی کرتا ہے۔





## تذکرہ سنہ پیدائش ۱۰۰۰ لاکھوں کی چند اہم مطبوعات

صوفی محمد اکرم	صائمہ کا عشق رسولؐ
راجا رشید محمود	ماں باپ کے حقوق
مولانا حبیب الرحمن خاں شیروانی	سلامی اخلاق
عارف۔ اجا رشید محمود	تذکرہ حضرت صابر کلیرؓ
حضرت داتا گنج بخشؒ	کشف المحجوب
ترجمہ۔ محمد علی چراغ	رحمتِ دو عالمؐ
مولانا شاہ عطار اللہ خاں عطا	فتوح القیوم
سیدنا غوث اعظم عبدالقادر جیلانیؒ	تذکرہ اولیائے کشمیر
ترجمہ۔ محمد علی چراغ	علومِ مصطفیٰؐ
پیرزادہ محمد طیب نقشبندی	عرفان شریعت
مولانا احمد رضا خاں بریلوی	احکام شریعت
"	حالات بخشش
"	ملفوظات نبوی
سید نبوب رضوی	سیرت سلمان فارسی
علامہ فضل احمد عارف	فائدہ دعا
"	برکاتِ یردہ
"	برکاتِ رمضان
صاحبزادہ سید محمد جبار شاہ	اولیائے کاملین
محمد دین حکیم	تذکرہ حضرت شاہ بہاؤ
ڈاکٹر ظہور الحسن شاہ	کلیہ کا چاند

## تذکرہ سنہ پیدائش۔ لاہور کی چند اہم مطبوعات

صوفی محمد اکرم	صائمہ کا عشق رسولؐ
راجا رشید محمود	ماں باپ کے حقوق
مولانا حبیب الرحمن خاں شیروانی	سلامی اخلاق
عارف۔ اجا رشید محمود	تذکرہ حضرت صابر کلیرؓ
حضرت داتا گنج بخشؒ	کشف المحجوب
ترجمہ۔ محمد علی چراغ	رحمتِ دو عالمؐ
مولانا شاہ عطار اللہ خاں عطا	فتوح القیوم
سیدنا غوث اعظم عبدالقادر جیلانیؒ	تذکرہ اولیائے کشمیر
ترجمہ۔ محمد علی چراغ	علومِ مصطفیٰؐ
پیرزادہ محمد طیب نقشبندی	عرفان شریعت
مولانا احمد رضا خاں بریلوی	احکام شریعت
"	حالاتِ بخشش
"	ملفوظات نبوی
سید نبوب رضوی	سیرتِ سلمان فارسی
علامہ فضل احمد عارف	فائدہ دعا
"	برکاتِ پردہ
"	برکاتِ رمضان
صاحبزادہ سید محمد جبار شاہ	اولیائے کاملین
محمد دین حکیم	تذکرہ حضرت شاہ بہاؤ
ڈاکٹر ظہور الحسن شاہ	کلیہ کا چاند